عالم اسلام اور مغرب کی کشمکش: نئے تناظر میں دینی تحریکوں کے کام میں تطبیق کی ضرورت

ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری

کیا واقعتاً نظام بدل رہا ہے؟

آج ہم جس دور سے گزر رہے ہیں اس کو تاریخی اعتبار سے نظامی تبدیلی [Systemic Transition] کا دور کہا جاسکتا ہے۔ ایسے ادوار پہلے بھی گزر چکے ہیں مثلاً سلطنتِ روم کے زوال کا دور [دوسری سے چوتھی صدی عیسوی کا دور] سلطنتِ عثمانیہ کے انحطاط [اٹھارویں اور انیسویں صدی کا دور] مسیحی یورپ کے انتشار کا دور [پندرہویں اور سولہویں صدی] وغیرہ۔ ان ادوار کی اہم ترین خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ ان میں ایک نظامِ زندگی آہستہ آہستہ معطل ہوتا جاتا ہے اور اس کی جگہ ایک یا کئی اور نظامِ ہائے زندگی کے اثر ونفوذ میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ ہم دورِ حاضر کے تناظر میں اس عمل کا جائزہ لیں گے لیکن پہلے نظامِ زندگی کے تصور کو واضح کرنے کی ضرورت ہے۔

ا۔ نظامِ زندگی کیا ہے؟

انسانی زندگی ایک مربوط عمل ہے۔ انسان کی سوچ، عمل اور تعلقات میں گہرا ربط ہے۔ عمل اور تعلقات سوچ کے اظہار کا ذریعہ ہیں۔ سوچ کی بنیاد احساس ہے۔ ہر شخص اپنے عمل کا خود ذمہ دار ان معنوں میں ہے کہ وہ لامحالہ اپنی انفرادی حیثیت میں یہ فیصلہ کرتا ہے کہ خیر اور شر کیا ہیں۔ اس دنیا میں اس کا مقام کیا ہے؟ اس کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ اور ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے اس کو کیسے اعمال وافعال اختیار اور کیسے تعلقات استوار کرنے چاہئیں؟ اسی بنیادی انفرادی ذمہ داری کا نتیجہ ہے کہ ہر شخص اپنی انفرادی موت سے دوچار ہوتا ہے اور اس کو انفرادی طور پر اپنی قبر میں اپنے اعمال کا جواب دینا ہوتا ہے۔

ہم مسلمان ہیں یا آزاد ہیں؟

اپنی انفرادیت کے تعین کے لیے ہر شخص اس سوال کا جواب دینے پر مجبور ہے کہ ''میں کون ہوں؟''

آج کل کے زمانہ میں اس سوال کے دو جوابات مقبول ہیں: [۱] میں مسلمان ہوں [۲] میں آزاد ہوں۔

ان میں سے جو جواب بھی دیا جائے وہ ہر چند قبل از احساس اور قبل از فکر پر مبنی مفروضات پر منحصر ہوتا ہے۔ اسی چیز کو ''ایمان'' کہتے ہیں۔ ایمان دلیل اور وجدان پر منحصر نہیں۔ دلیل اور وجدان ایمان پر منحصر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت نظام الدین اولیا رحمت اللہ علیہ کسی شخص کے ایمان لانے کو معجزہ کہا کرتے تھے۔ [آپ کے دست مبارک پر ہزاروں لوگ ایمان لائے۔ کوئی شخص اپنے احساسات یا اپنی سوچ کی بناء پر ایمان نہیں لاتا۔ یہی وجہ ہے کہ نہایت عظیم مفکر اور روحانی پیشوا مثلاً ارسطو، گاندھی، ووکا نندا، کانٹ، آئن اسٹائن وغیرہ ایمان نہیں لائے۔ ایمان کی دولت صرف اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم کے نتیجے میں ملتی ہے۔ گاندھی تو ایمان نہ لائے لیکن ان پڑھ مرہٹہ لیٹرے ٹانٹیا گوپی کو خود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عالمِ خواب میں کلمہ پڑھوایا اور ٹانٹیا گوپی تقی الدین بن گئے اور شہادت سے قبل ان کی دنیا بدل گئی۔

احساس اور تفکرات کے اظہار کی دو سطحیں:

احساس اور فکر کی بنیاد ایمان پر ہوتی ہے۔ اسی چیز کو ہم، صوفی تصورِ حال سے تعبیر کرتے ہیں۔ ہر فرد اپنے حال کے مطابق اپنے مقام کا تعین کرتا ہے جو شخص اسلام پر ایمان لایا اس کے احساسات اور افکار اسی کے ایمان کا پرتو ہیں اعمال اپنے احساس اور تفکرات کا اظہار ہیں اور یہ اظہار دو سطحوں پر ہوتا ہے۔

[۱] معاشرہ کی سطح پر [۲] ریاست کی سطح پر

اقدار بدلنے سے ادارے بھی بدل جاتے ہیں:

معاشرہ اس اجتماع کو کہتے ہیں جو افراد بغیر جبر و اکراہ اپنی انفرادیت کے اظہار کے لیے قائم کرتے ہیں۔ چونکہ انفرادیت کا تعین مختلف ہے۔ کچھ لوگ مسلمان ہیں اور کچھ لوگ کافر۔ لہٰذا معاشرے بھی مختلف النوع ہوتے ہیں۔ معاشرہ رضا کارانہ [Voluntary] صف بندی سے وقوع پذیر ہوتا ہے یعنی معاشرہ میں مختلف ادارے وجود میں آتے ہیں مثلاً خاندان، مسجد، بازار، محلّہ، قبیلہ، برادریاں، مدرسہ، مدینہ، نظامِ شفع وغیرہ۔ ان اداروں کے قیام کی بنیاد تاریخی روایات کا تسلسل ہے۔ ہر ادارہ معاشرتی تسلسل کا مظہر ہوتا ہے۔ وہ انہی اقدار کی غمازی کرتا ہے جو قدیم زمانے سے معتبر تسلیم کیے جاتے ہیں، لیکن جیسے جیسے ان اقدار میں تبدیلی آتی ہے معاشرتی ادارتی تنظیم بھی تغیر پذیر ہوتی ہے۔ مثلاً مسلم معاشرہ میں خانقاہی نظام تقریباً مکمل طور پر معطل ہو گیا ہے اور بالخصوص بازار کی زندگی پر خانقاہ کا اثر تقریباً ختم ہو گیا۔ خانقاہ کی جگہ Chambers of Commerce نے لے لی ہے۔ اسی طرح یورپی معاشرہ میں خاندان کا ادارہ ناپید ہوتا جا رہا ہے اور اس کی جگہ [Cohabitation] نے لے لی ہے۔

اقدار میں تبدیلی کی مثالیں:

اس نوعیت کی تبدیلیاں جبر کی بنیاد پر وقوع پذیر نہیں ہوتیں۔ کراچی اور لاہور کے تاجروں نے بہ رضا و رغبت بغیر کسی جبر کے خانقاہوں سے اپنے قدیم تعلقات آہستہ آہستہ منقطع کیے ہیں۔ نیویارک کا نوجوان زنا کو

نکاح پر ترجیح دیتا ہے کوئی اس کو زنا کرنے پر مجبور نہیں کرتا۔ معاشرتی تغیر [Social Change] کے عمل کی بنیاد اقدار کی تبدیلی ہے جبر نہیں ہے۔

ریاست کو جبر یا معاشرتی رضا سے ملنے والے اختیارات:

لیکن معاشرہ کو ایک نظامِ جبر کی ضرورت ہے، اس نظامِ جبر کو ریاست کہتے ہیں۔ ریاست معاشرتی اقدار کی بنیاد پر جائز و ناجائز حلال اور حرام کے ان تصورات اور پیمانوں کو نافذ العمل بناتی ہے جن کو معاشرتی سطح پر مقبولیت حاصل ہے، یا جن کو معاشرہ برداشت کرنے پر آمادہ ہے۔ ریاست محض نظامِ جبر نہیں بلکہ اقتدار کا وہ نظامِ جبر ہے جس کو عام مقبولیت یا عام برداشت حاصل ہو۔

ریاست مقبول معاشرتی اقدار کو نافذ العمل بنانے کے لیے جبری صف بندی عمل میں لاتی ہے۔ یہ جبری ادارے مثلاً عدلیہ محصولاتی تنظیم، شہری انتظامیہ، محتسب، فوج۔ اس قوت کا اظہار اور ترتیب ہیں جو معاشرہ اپنے مقتدرین کو سونپنے پر راضی ہوتا ہے۔ اس معاشرتی رضا کی دو نوعیتیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ مقتدرین ریاستی نظام کے ذریعے ان اقدار کو نافذ کرنے کی کوشش کریں جو معاشرے کا ایک عام باشندہ فی الواقع پسند کرتا ہو، مثلاً ایک عام امریکی آزادی اور ترقی کو اقدار کے طور پر قبول کرتا ہے اور امریکی ریاست ان کو نافذ العمل بنانے کے لیے ملک میں اور ملک سے باہر۔ مثلاً عراق اور افغانستان میں جو جبر کرتی ہے ایک عام امریکی اس کا حمایتی ہے اور اس حمایت کا اظہار انتخابات میں بش کو منتخب کر کے کرتا ہے۔

عوامی رضا کی شکل برداشت بھی ہے:

عوامی رضا کی دوسری شکل برداشت ہے۔ جب برصغیر میں انگریزی ریاستی نظام قائم ہوا تو جن اقدار کا وہ غماز تھا ان کو ہندوستانی معاشرہ میں قبولیت عام حاصل نہ تھی، لیکن ان اقدار اور ان پر قائم نظامِ اقتدار کو اکھاڑ پھینکنے کے لیے عوام خاطر خواہ قربانیاں دینے پر راضی نہ تھے، لہٰذا جہادِ ۱۸۵۷ء اور حضرت شیخ المشائخ امداد اللہ مہاجر مکی رحمت اللہ علیہ اور حضرت شیخ الہند رحمت اللہ علیہ کی تحریکات جہاد ناکام ہوئیں اور علمائے دیو بند اور بریلی کا عوام نے ساتھ نہ دیا۔ مسلم عوام اور خواص انگریزی اقدار اور انگریزی اقتدار کو برداشت کرنے پر راضی ہوگئے۔ سرسید کامیاب ہوگئے اور پاکستان جدید مغربی اقدار، اقتدار و روایات کی وارث ریاست کے طور پر معرض وجود میں آیا۔

انسانی حیات تین سطحوں پر ہوتی ہے:

اس گفتگو سے واضح ہوتا ہے کہ انسانی حیات تین سطحوں پر ہوتی ہے:

[۱] انفرادی سطح پر جہاں فرد اپنی ایمانیات کا تعین کرتا ہے اور ان ایمانیات کی بنیاد پر اپنے حال اور مقام کا تعین کرتا ہے۔ [۲] معاشرتی سطح پر جہاں ان اقدار کے فروغ کے لیے جن کو افراد نے غیر اکراہی طور پر اختیار کیے ہیں، غیر اکراہی یا رضا کارانہ voluntory صف بندی کہی جاتی ہے۔ [۳] ریاستی سطح پر جہاں جبری مقبول عام یا عام طور پر برداشت کیے جانے والے، اقدار کو قانون اور قوت کے ذریعہ نافذ العمل بنایا جاتا ہے۔

نظام زندگی تین سطحوں کے ارتباط کا نام ہے:

ان تینوں سطحوں کے ارتباط کو ''نظامِ زندگی'' کہتے ہیں۔ ''نظامِ زندگی'' کا تصور حضرت شاہ ولی اللہ رحمت اللہ علیہ کی تصنیف ''حجۃ اللہ بالغۃ'' اور حضور رحمت اللہ علیہ کی دوسری تصانیف میں پیش کیا گیا ہے۔ بیسویں صدی میں اسی تصور کو مولانا مودودی رحمتہ علیہ نے اپنی دو کتابوں میں واضح کیا ہے۔ ''اسلامی نظام حیات'' اور ''اسلامی تہذیب اور اس کے اصول ومبادی'' ''نظامِ حیات'' سے مراد وہ مجموعہ ہے جسے ''تہذیب'' بھی کہا جا سکتا ہے۔ ہر تہذیب ایک مخصوص انفرادیت، ایک مخصوص معاشرت اور ایک مخصوص ریاست کو فروغ دیتی ہے۔ مولانا مودودیؒ نے تعلیم دی ہے کہ ہمیں انفرادیت، معاشرت اور ریاست کو الگ الگ نظاموں کے طور پر تصور نہیں کرنا چاہیے۔ ایک خاص انفرادیت ایک مخصوص معاشرت اور مخصوص ریاست ہی میں پنپ سکتی ہے۔

غیر مسلم معاشرہ اور غیر مسلم ریاست میں اسلامی شخصیت عام نہیں ہو سکتی۔

اسلامی جدوجہد کی تین سطحیں:

یہ درست ہے کہ اسلامی جدوجہد تین سطحوں پر منتج ہے:

[۱] تزکیہ [انفرادیت کی سطح پر] [۲] تبلیغ اور نصیحہ [معاشرت کی سطح پر] [۳] جہاد اور خلافت [ریاست کی سطح پر]۔

لیکن تحفظ دین اور غلبہ دین کی تحاریک کو دانستہ ان تینوں سطحوں پر کیے جانے والے کام کو مربوط کرنے کی سعی کرنا چاہیے۔ اس کے بغیر اسلامی انفرادیت اسلامی معاشرت اور اسلامی ریاست تقویت حاصل نہیں کر سکتیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں گو کہ، چشتی صوفیائے کرام کا دائرۂ عمل انفرادی اصلاح رہا، لیکن انھوں نے پٹھان فرمانرواؤں اور سیدنا عالمگیر رحمت اللہ کی تحریکات کی بھرپور معاونت فرمائی۔

اسلامی تحریکوں کے کام میں تطبیق کی ضرورت:

لہٰذا تحفظ اور غلبہ دین کی تحاریک کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے مجموعی کام کو اس طرح مربوط کریں کہ اسلامی نظامِ زندگی ___ نہ کہ صرف اسلامی انفرادیت، صرف اسلامی معاشرت یا صرف اسلامی ریاست ___ فروغ پائے۔ یہ درست ہے کہ ہر جماعت اپنے ہی ذمہ کا کام کرے گی، لیکن وہ اس کام کو دوسری جماعتوں کے کام سے مربوط اور منطبق کرنے کی دانستہ سعی بھی لازم پکڑے گی۔ اگر عمارت کا فرش بنانے والے مزدوروں نے عمارت کی دیواریں کھڑی کرنے والے مزدوروں کی ضروریات کا خیال نہ رکھا تو اسلامی نظام زندگی کی عظیم الشان عمارت کس طرح کھڑی کی جا سکے گی۔

۲۔ مغربی نظامِ زندگی......سرمایہ داری:

جب ہم اسلامی نظامِ زندگی کے تحفظ اور غلبہ کی کوشش کرتے ہیں تو ہمیں لازماً زمانی اور مکانی تناظر کو خاطر میں لانا پڑتا ہے۔ اسلامی نظامِ زندگی کا تحفظ اور غلبہ دورِ حاضر کے غالب اور محفوظ نظام زندگی کی تسخیر اور انتشار کے بغیر ممکن نہیں۔ آج جو نظامِ زندگی غالب اور محفوظ ہے وہ سرمایہ داری ہے۔ اس نظامِ زندگی کو سید قطب

شہید رحمت اللہ علیہ نے ''جاہلیت خالصہ'' کہا ہے۔ مغربی نظامِ زندگی کے غلبہ کے نتیجہ میں اسلامی انفرادیت، اسلامی معاشرت اور اسلامی ریاست لازماً برباد اور منتشر ہو جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام زندگی کے اندر اسلامی انفرادیت، معاشرت اور اقتدار کو فروغ پانے کی کوئی گنجائش نہیں۔ لہٰذا اس نظام زندگی کے مقتدرین یا ان کے وکیلوں سے مصالحت یا مکالمہ لازماً اسلامی نظام زندگی کے انتشار کا ذریعہ ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کی تین سطحیں:

اب ہم سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی کی تینوں سطحوں کا جائزہ لیں گے۔

سرمایہ دارانہ انفرادیت: سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی کو ''مغربی'' کہنا صرف ان معنوں میں درست ہے کہ آج یورپ اور امریکہ نے اس نظامِ زندگی کو اپنایا ہوا ہے۔ چودھویں صدی عیسوی تک مغرب میں سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی کو نہ تحفظ حاصل تھا نہ غلبہ۔ پندرہویں اور سولہویں صدی میں بھی سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی یورپ کے چند ساحلی شہروں میں جڑ پکڑ سکا تھا۔ سولہویں صدی تک سرمایہ دارانہ مخالف تحریکیں یورپ میں عام تھیں اور اسی صدی کے نصف میں [oliver Cromwell] نے ایک خالص مذہبی ریاست انگلستان میں قائم کی۔ سرمایہ دارانہ نظام کے تحفظ اور غلبہ کے دو تاریخی سنگِ میل ہیں۔ انقلاب امریکہ [۱۷۷۶ء] اور انقلاب فرانس [۱۷۸۹ء] انگلستان کا ''شاندار انقلاب'' [Glovious revolution][۱۶۸۸ء] ان دونوں کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

سرمایہ دارانہ شخصیت کا عروج:

سرمایہ دارانہ شخصیت کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی کے عروج کی وجوہات کو بیان کیا جائے۔

چوتھی صدی عیسوی سے پندرہویں صدی عیسوی تک: یورپ پر کیتھولک عیسائیت کو معاشرتی اور انفرادی غلبہ حاصل تھا۔ یورپی انفرادیت اور معاشرت عیسائی اقدار کی غماز تھی، لیکن یہ انفرادیت اور معاشرت ایک ایسے ریاستی نظام سے مربوط تھی جس کے خدوخال میکیاویلی Machiavelli نے اپنی کتابوں میں تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ یورپی فرمانروا کسی عیسائی شریعت کے پابند تھے اور وہ عیسائی انفرادیت اور معاشرت کے غلبہ کے ہزار سالہ دور میں خالصتاً دنیا پرستانہ [Secular] سیاست کرتے رہے اور اس سیکولر سیاست کا جواز چوتھی صدی میں عیسائیت کے سب سے بڑے عالم سینٹ آگسٹائن Saint Augestine نے City of Man اور City of God میں بیان کر دیا تھا۔ Augestine کے بعد عیسائی علمیت پر ارسطو اور افلاطون کی فکر بتدریج غالب آتی چلی گئی اور اس علمیاتی غلبہ نے عیسائی روحانیت کو کھوکھلا کر کے رکھ دیا۔ عیسائی فکر کو کبھی کوئی امام غزالی نصیب نہ ہوا اور قرون وسطیٰ کی عیسائیت علمیت [Scholasticism] اعتزال ہی کی ایک شکل تھی۔

امام غزالیؒ کی اہمیت وافادیت:

[ہمارے بزرگوں نے ایسے خواب بیان فرمائے ہیں جن میں انھوں نے دیکھا کہ حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم امام غزالی رحمت اللہ علیہ کو حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں اور فرما

رہے ہیں ''کیا آپ کی امت میں اس جیسا عالم پیدا ہوا'' سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اگر ایمان ثریا سے اوپر بھی چلا جائے تو ایک فارسی اس کو واپس لے آئے گا۔ بہت سے محدثین کی رائے کہ اس حدیث میں حضور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ حضرت امام غزالی رحمت اللہ کی طرف ہے]

عیسائی فکر نے ۱۸ اور ۱۹ ویں صدی سے قصداً اسلامی فکر کو حقیر اور بے وقعت جانا۔ امام غزالی رحمتہ اللہ کی فکر کو حقیر اور بے وقعت جانا۔ امام غزالی رحمتہ اللہ کی فکر طاہرہ کے مقابلہ میں معتزلہ دہریوں مثلاً ابن رشد، فارابی، ابن سینا کے افکارِ فاسدہ کو بنیاد بنا کر ارسطو اور جدید افلاطونیت [Neo Platonism] کے احیاء کی راہ ہموار کی۔ صلیبی جنگوں کے دور میں فکرِ اسلامی سے عیسائی نفرت اپنے عروج کو پہنچ گئی اور فکرِ اسلامی سے نفرت کر کے عیسائیت نے اپنی مکمل بربادی کا سامان اپنے ہاتھوں تیار کرلیا۔

نیو افلاطونیت اور سیکولرازم نے عیسائیت کو تباہ کر دیا:

نیو افلاطونیت اور سیکولرازم کو اپنا کر عیسائی نظامِ زندگی کئی بنیادی تضادات کا شکار ہوگیا۔ عیسائیت جس اخلاقیات کا پرچار کرتی تھی خود چرچ کے اندر [یعنی مفروضہ City of God میں] ان کا وجود ناپید ہوتا چلا گیا۔ پوپ پادری اور چرچ کے دوسرے اہل کار بدترین جرائم کے مرتکب ہونے لگے۔ روحانی تربیت کے نظام [Monastaries] کو چرچ کی بیوروکریسی سے باضابطہ طور پر الگ کر دیا گیا اور اس تفریق کے نتیجے میں پوپ خود ایک سیکولر بادشاہ کی حیثیت اختیار کرگیا۔ معاشرہ میں چرچ کے بیوروکریسی کا نفوذ ریاستی بیوروکریسی کے نفوذ کے مماثل ہوتا چلا گیا اور یہ دونوں بیوروکریسیاں اس حد تک خلط ملط ہوگئی کہ عوام [laity] کے لیے ان میں فرق کرنا دشوار بلکہ عملاً ناممکن ہوگیا۔

عیسائیت کو نفاق نے ختم کر دیا:

جو چیز عیسائی نظامِ زندگی کو لے ڈوبی وہ نفاق تھا۔ روحانی اور اخلاقی تعلیمات اور معیارات انجیل اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیماتِ مبارکہ سے ہی ماخوذ تھیں لیکن معاشی، معاشرتی، سیاسی اور تمدنی عمل کا ان تعلیمات سے تعلق بتدریج منقطع ہوگیا۔ لہٰذا افلاطونی فلسفہ اس تضاد کا منطقی جواز اور توجیہہ بیان کرتا تھا اور یہی عیسائی علمیت تھی۔

ان حالات میں اخلاقِ فاسدہ کا فروغ پانا ناگزیر تھا۔ شہوت رانی، ہوس پرستی، معاشی ظلم، احتکار، لوٹ مار، خدا بے زاری عام ہوگئے۔ تیرہویں صدی سے یورپ نے اپنے قبل از عیسائی نظام ہائے زندگی Paganism اور Hellenism کی طرف عمومی مراجعت شروع کر دی۔ عیسائی تعلیمات کی اصولی فوقیت اور عیسائی بیوروکریسی کے نظامِ اقتدار کو چیلنج کے بعد چیلنج کا سامنا کرنا پڑا۔ یورپ جو Pagan اور Hellenistic [یونانی] نظامِ زندگی عملاً گزار رہا تھا اس کی علمی اور اصولی فوقیت قائم کرنے کی جدوجہد کرنے لگا۔

عیسائیت کی اندرونی کشمکش: نوآبادیات کا قیام

پندرہویں صدی سے یورپی اخلاقی زوال کی رفتار میں برق رفتاری سے ترقی ہوئی۔ اس کے بعد

یورپ دو عظیم الشان فسادوں کا شکار ہوگیا۔ ایک طرف کیتھولک اور غیر کیتھولک عیسائیت میں خانہ جنگی شروع ہوگئی جو تقریباً دوسو سال جاری رہی اور جس میں یورپی کلیدی ممالک فرانس، اٹلی، جرمنی، ولندیز اور اسپین ملوث ہوئے۔ دوسری طرف فرانس، اسپین، پرتگال، ولندیز اور برطانیہ نے عالمی استعماریت کی بنیاد ڈالی۔ مذہبی اور استعماری جنگوں میں مغربی یورپ کے تقریباً ہر گھرانے کے افراد شریک ہوئے۔ ان جنگوں میں وحشت، بہیمیت اور سفاکیت کی انتہا کر دی گئی۔ کروڑوں غیر یورپیوں کو قتل کیا گیا۔ پورے پورے براعظم لوٹ لیے گئے اور وہاں صدیوں سے آباد نسلوں کو کلیتاً تہہ تیغ کر دیا گیا اور برطانوی فرانسیسی، اسپینی اور پرتگالی ان کی دولت اور ان کے ملکوں پر قابض ہوگئے۔ یورپ میں لوٹی ہوئی دولت کے انبار لگ گئے اور قتل و غارت، ظلم اور استبداد، جنسی بے راہ روی، لوٹ مار، دھوکہ اور فریب یورپ میں رائج نظامِ زندگی کا حصہ بن گئے۔ اس اخلاقی تغیر کی کئی تصویریں شیکسپیئر کے ڈراموں میں پیش کی گئی ہیں۔

عیسائیت استعماریت کی تاریخی حلیف رہی ہے: آج بھی ہے

اس لوٹ مار، جنسی بے راہ روی، قتل و غارت، ظلم اور استبداد کے فروغ میں عیسائیت ہر جگہ یورپ میں امریکہ میں مشرق بعید میں حکومت کے دستِ راست کے طور پر کام کرتی رہی۔ اس نے ہر اس جرم کا مذہبی جواز فراہم کیا جس کے ذریعے یورپی حکمرانوں نے دولت لوٹنے، قتل عام کرنے اور سفاکیت کو فروغ دینے کے لیے کیا۔ ہر استعماری لشکر کا مذہبی پیش رو کسی نہ کسی چرچ کا نمائندہ ہی ہوتا تھا اور بالکل جس طرح Evangilical پادری امریکی فوجوں کی عراقی اور افغان کارروائیوں کا جواز پیش کر رہے ہیں اسی طرح کیتھولک اور پروٹسٹنٹ پادریوں نے استعماری مہمات کی پشت پناہی کی۔

انقلاب امریکہ و فرانس نے عیسائیت کو بے دخل کر دیا:

۱۸ ویں صدی کی ابتدا تک عیسائی نظامِ زندگی معطل ہوگیا تھا۔ عیسائی بیوروکریسی کا اقتدار سیکولر ریاستی نظام کا حصہ بن گیا تھا لیکن جیسے جیسے عیسائی بیوروکریسی کی معاشرتی گرفت کمزور پڑ رہی تھی۔ ویسے ویسے حکومتیں ان کو غیر ضروری تصور کرنے لگیں۔ جیسا اوپر عرض کر چکا ہوں عیسائی نظامِ زندگی کو مکمل طور پر غیر معقول اور غیر مقبول بنانا دو انقلابوں کا کارنامہ ہے۔ انقلاب امریکہ اور انقلاب فرانس ان دو انقلابوں کے ذریعہ یورپ نے جس نظام زندگی کو اصولاً عملاً رائج کیا، اس کو سرمایہ داری کہتے ہیں۔

مذہب سرمایہ داری ایک نظام زندگی ہے:

سرمایہ داری اسلام میں ضم نہیں ہوسکتی:

سرمایہ داری ان معنوں میں ایک نظام زندگی ہے کہ اس کا اپنا ایک مخصوص تصور انفرادیت، ایک مخصوص تصورِ معاشرت اور ایک مخصوص تصورِ اقتدار ریاست ہے اور یہ تینوں تصورات باہم مربوط ہیں۔ غیر سرمایہ دارانہ شخصیت سرمایہ دارانہ معاشرہ میں پنپ نہیں سکتی۔ سرمایہ دارانہ ریاست غیر سرمایہ دارانہ معاشرت کا وجود برداشت نہیں کر سکتی۔ سرمایہ داری ایک نظامِ زندگی سے کسی دوسرے نظامِ زندگی کا حصہ نہیں بن سکتی۔ وہ دوسرے

نظامِ زندگی کو تباہ کر کے ہی قائم کی جاسکتی ہے۔ اگر کسی ملک میں اسلامی انقلاب آئے تو اسے سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی، سرمایہ دارانہ انفرادیت، سرمایہ دارانہ معاشرت، سرمایہ دارانہ نظامِ اقتدار اور ریاست کو تباہ کرنا ہوگا۔ سرمایہ دارانہ انفرادیت، معاشرت اور ریاست کو اسلامی نظامِ زندگی میں ضم نہیں کیا جاسکتا۔

سرمایہ دارانہ علمیت کیا ہے؟

سرمایہ دارانہ شخصیت، معاشرت اور ریاست کے تصورات سرمایہ دارانہ علمیت سے ماخوذ ہیں۔ جیسا کہ عرض کر چکا ہوں کہ یہ علمیت Peter Abelard کے وقت سے یورپ میں فروغ پا رہی تھی۔ اس فکر کے غلبہ میں ۱۷ویں صدی بہت اہم ہے جب وہ چیز وجود میں آئی جس کو ہم Science کہتے ہیں۔ ۱۸ویں صدی میں اسی Science نے ایک ایسے فلسفہ کو جنم دیا جس نے ان تمام نیو پلوٹونک [neo platonic] تصورات انفرادیت، معاشرت اور ریاست کو مہمل ثابت کر دیا ہے جو عیسائی نظامِ زندگی کے اصل الاصول کے طور پر قبول کیے جاتے تھے۔

سرمایہ داری کو تحریک تنویر اور کانٹ نے پروان چڑھایا:

اس فلسفہ کو جس تحریک نے پروان چڑھایا وہ تحریک تنویر [Enlightenment] کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس تحریک کا سب سے اہم مفکر Emanuel Kant تھا اور Kant کے کردار میں وہ تمام تضادات پائے جاتے ہیں جن کی سرمایہ دارانہ انفرادیت غماز ہوتی ہے۔ Kant اپنے آپ کو عیسائی سمجھتا تھا اور اس کے خیال میں اس نے علمیت کو فروغ دینے کے لیے جدوجہد کی ہے لیکن وہ اغلام باز [Homosexual] بھی تھا اور اس کی ذاتی زندگی نہایت نجس اور غلیظ تھی۔ اس نوعیت کے تضادات ہمیں مغرب کے ہر بڑے فکری رہنما اور ہر بڑے فلسفی، مفکر، سیاست داں کی زندگی میں ملیں گے۔ گوکہ سرمایہ داری عیسائی نظامِ زندگی کو رد کر چکی ہے لیکن عیسائی تہذیبی ورثہ سے اپنا دامن نہ چھڑا سکی اور اس تہذیبی ورثہ کا اہم ترین جز و منافقت ہے۔ امریکہ کہتا ہے کہ وہ امن کے حصول کے قیام کی خاطر افغانستان اور عراق میں لاکھوں انسانوں کو مستقل قتل کیے جا رہا ہے اور امریکی عوام کی غالب اکثریت سمجھتی ہے کہ واقعی ایسا ہی ہے۔

سرمایہ دارانہ تصور انفرادیت کیا ہے؟

اب میں سرمایہ دارانہ تصورِ انفرادیت کی خصوصیات بیان کروں گا۔ یہ تصور Kant کے فکر سے ماخوذ ہے۔

۳۔ سرمایہ دارانہ تصورِ انفرادیت: تحریک تنویر کا اہم ترین اور کلیدی تصور "Humanity" ہے۔ "Humanity" کا ترجمہ ''انسانیت'' کرنا غلط ہے۔ ''انسانیت'' کا درست انگریزی ترجمہ "Mankind" ہے۔ یہی لفظ انسانی اجتماعیت کے لیے انگریزی زبان میں ۱۸ویں صدی سے قبل رائج تھا۔ "Humanity" کا تصور ''انسانیت'' کے تصور کی رد ہے۔

صہیب ایک انسان ہے وہ خود انسان نہیں بنا۔ اللہ اس بات پر مجبور نہ تھا کہ صہیب کو انسان بنائے۔ وہ

چاہتا تو صہیب کو فرشتہ یا جن، یا جانور یا درخت یا پتھر بنا سکتا تھا۔ صہیب کا انسان ہونا ایک حادثہ [Contergency] ہے۔ صہیب کی اصلیت Essense اس کی عبدیت ہے۔ وہ کچھ بھی ہوتا جن یا فرشتہ یا جانور یا درخت۔ یا گھاس کا ایک تنکہ۔ ہر حال میں مخلوق اور عبد ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ میں اصلاً مسلم ہوں اور صرف حادثاتی طور پر اور ضمناً انسان ہوں۔ میری انسانیت میری اسلامیت کے اظہار کا ذریعہ ہے۔ اس کے علاوہ میری انسانیت اور کچھ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب غیر مسلم انسانوں سے مخاطب ہوتا ہوں تو انھیں اسلام کی دعوت میں دے سکتا ہوں، کسی ماورائے اسلام ''انسانی مفاد کے تناظر میں ان سے مکالمہ نہیں کر سکتا۔ یہ بات مولانا مودودیؒ نے اپنی کتاب ''رسالہ دینیات'' میں خوب اچھی طرح تعلیم فرمادی ہے۔ ''تجدید واحیائے دین'' میں مولانا ''تجدد'' اور ''تجدید'' میں فرق بیان فرماتے ہوئے بھی اسی نکتہ پر زور دیتے ہیں۔

Human عبدیت کا رد ہے:

humanity انسانیت کے تصور کا ان معنوں میں رد ہے کہ human being عبدیت اور تخلیقیت کا اصولاً اور عملاً رد ہے۔ Kant کے مطابق human being کا بنیادی وصف اور اس کی اصل "autonomy" یعنی خود ارادیت اور خود تخلیقیت ہے۔ انسان اپنے رب کے ارادے کا مطیع ہوتا ہے۔ [قالوا بلیٰ] human being خود اپنا رب ہوتا ہے [انا ربکم الاعلیٰ]۔ وہ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔ humanity کی بنیادی قدر آزادی ہے human being معیارات خیر وشر خود متعین کرتا ہے۔ کوئی عمل فی نفسہٖ اچھا یا برا نہیں ہوتا۔ نہ human being کے ارادے کے علاوہ کوئی ایسا پیمانہ ہے جس کے سامنے کسی عمل یا کسی شے کو پیش کر کے اس عمل یا فعل کی قدر [value] کو متعین کیا جاسکے۔ قدر کا تعین صرف انسانی ارادہ ہی کر سکتا ہے۔

جو عمل عالمگیر ہو سکتا ہے وہ حق ہے:

Kant کے مطابق خیر وشر کے تعین کے لیے human being کو ایک سوال کا جواب دینا چاہیے۔ کیا یہ عمل [Universalise] کیا جاسکتا ہے؟ یعنی کیا میں جو چیز پسند کرتا ہوں وہ تمام human being کو پسند کرنے کی اجازت دینے پر تیار ہوں۔ اگر میں زنا کی عمومی اجازت دینے کے لیے تیار ہوں مگر چوری کی عمومی اجازت دینے کے لیے تیار نہ ہوں تو زنا univeralisablity پر پورا اترا اور چوری پوری نہیں اتری لہٰذا میں زنا کو اختیار کر سکتا ہوں اور چوری کو اختیار نہیں کر سکتا۔

نظریہ افادیت: لذت پرستی کا عروج

نظریہ افادیت [Utilitarianism] نے قدر کے تعین کا ایک پیمانہ بھی پیش کیا ہے اور وہ ہے شدت لذت [Intensity of Pleasure] مثلاً اگر Hang زنا کرنے سے زیادہ اور کتاب پڑھنے سے کم لذت حاصل کرتا ہے تو وہ زنا کو بدرجہ کتاب زیادہ قدر دے گا لیکن Barry کا یہ حق تسلیم کرے گا کہ وہ کتاب پڑھنے سے حاصل شدہ لذت کو زنا سے حاصل شدہ لذت کے مقابلہ میں زیادہ قدر دے۔

قدر کے ان دونوں تصورات میں human being آزاد ہے کہ وہ قدر کو اپنے ارادہ کے مطابق متعین کرے، لیکن قدر کا تعین اس طریقہ سے کیا جائے گا کہ ہر human being کو قدر کا تعین اپنے ارادہ کے مطابق کرنے کا اختیار حاصل ہو۔

ہر قدر مساوی حیثیت کی حامل ہے:

لہٰذا Humanist تصور انفرادیت کی دوسری [ذیلی] قدر مساوات [Equality] ہے۔ ہر فرد کو اپنے ارادہ کے مطابق قدر کے تعین کا مساوی حق حاصل ہے۔ Kant اور نظریہ افادیت کے مفکر [مثلاً Mill, Bentham, Hume] اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ہر فرد کے تعین قدر کی ترتیب کو مساوی گردانا جائے۔ کسی کے اقداری ترجیحات کی ترتیب کو کسی دوسرے کی ترتیب پر فوقیت نہ دی جائے خود ارادیت اور خود تخلیقیت [autonomy] کا ہر human being یکساں مکلّف ہے اور سرمایہ دارانہ شخصیت کی تعمیر کے لیے صرف آزادی کافی نہیں مساوی آزادی کو [equal freedom] تسلیم کیا جانا ضروری ہے۔

پروگریس سرمایہ دارانہ نظام کی تیسری اہم قدر [Value]:

اس مساوی آزادی کے فروغ کے لیے ضروری ہے کہ human being اپنے ارادہ کو غیر human اشیاء پر مسلط کر کے اس کو اپنے ارادہ کا تابع کرے [ان غیر human موجودات میں غیر انسان اور فطری قوتیں دونوں شامل ہیں۔] human ارادے کے اس کائناتی تسلط کو progress یا ترقی کہتے ہیں۔ progress سرمایہ دارانہ نظام زندگی کی تیسری قدر ہے۔ Progress کا ذریعہ سرمایہ کی بڑھوتری ہے۔ حضرت مولانا محمد مارماڈیوک پکتھال رحمۃ علیہ نے سرمایہ کو تکاثر کے مماثل کہا ہے اور تکاثر کے انگریزی معنی "Vivalry in Wordly Increase" بیان فرمائے ہیں۔ سرمایہ میں بڑھوتری آزادی کے فروغ کی عملی شکل ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ جب ایک شخص اپنے human ہونے کو تسلیم کرتا ہے تو وہ سرمایہ کی بڑھوتری کو اپنی زندگی کے اولین مقصد کے طور پر قبول کرتا ہے کیونکہ آزادی کا مطلب ہی سرمایہ کی بڑھوتری ہے اس کا کوئی دوسرا مطلب نہیں، جو شخص آزادی کا خواہاں ہے وہ لازماً اپنے ارادہ سے اقدار کی وہ ترتیب متعین کرے گا جس کے نتیجے میں اس کی آزادی میں اضافہ ہو۔

اصل قدر ارادہ انسانی ہے: نفس الٰہ ہے

سرمایہ ہی وہ شے ہے جو ممکن بناتا ہے کہ انسان جو کچھ بھی چاہے حاصل کر سکے۔ مسجد بنانا چاہے تو مسجد بنائے، شراب خانہ بنانا چاہے تو شراب خانہ بنائے، چاند پر جانا چاہے تو چاند پر جائے، کسی چیز کی کوئی اصلی [intrinsic] قدر نہیں۔ ہر چیز اپنی قدر صرف اور صرف human خواہش اور ارادہ سے حاصل کرتی ہے۔ لہٰذا قدرِ اصل [Intrinsic Value] صرف ارادہِ انسانی کی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قدر صرف اس کی ہے کہ انسان جو چاہنا چاہے وہ حاصل کر سکے اور تمام اعمال اور اشیاء کی قدر اس امر سے متعین ہوتی ہے کہ Human اس کو دوسرے اعمال اور اشیاء کے مقابلہ میں کتنی شدت سے پسند یا ناپسند کرتا ہے۔ سرمایہ دارانہ علمیت میں قدرِ

مطلق صرف human being کے ارادے محض [Preference for preference itself] یعنی کہ سرمایہ کی ہے کیونکہ سرمایہ ہی ارادہ محض کا اظہار ہے۔ سرمایہ ہی یہ ممکن بناتا ہے کہ Human جو چاہنا چاہے اس کے حصول کی جستجو کرے۔ لہٰذا ارادہ محض [preference for preference itself] کے سوا کسی چیز یا فعل کی کوئی قدرِ اصل [absolute and intrinics value] نہیں ہر فعل اور عمل کی قدر محض تقابلی ہے، یعنی Exchange Value۔ قدرِ محض [absloute value] اور تقابلی قدر [Exchange Value] کے تعلق کو میں اگلے حصے میں بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔

اصلی قدر = ارادہ انسانی = سرمایہ = سرمایہ دارانہ عقلیت:

قدرِ اصل صرف ارادہ انسانی کے اظہار یعنی سرمایہ کی ہے۔ لہٰذا سرمایہ دار عقلیت [rationality] کا تقاضا ہے کہ ہر human being اپنی خواہشات کو اس طرح مرتب کرے کہ ان کے حصول [realisation] کی جدوجہد قدرِ اصل یعنی سرمایہ کی بڑھوتری کے فروغ میں مد اور معاون ہو۔ خواہشات کی ہر وہ ترتیب جو human being کو سرمایہ کی بڑھوتری کے عمل کا آلہ کار [Instrument] نہیں بناتی، عقلیت کے خلاف ہے irrational ہے۔ جیسا کہ حضرت حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ نے تہافۃ الفلاسفہ میں تحریر فرمایا ہے، عقلیت کے کئی جاہلانہ تصورات ہیں۔ سرمایہ دارانہ عقلیت rationality۔ وہ جاہلانہ عقلیت ہے جو huaman being کے ارادہ محض [یعنی سرمایہ کی بڑھوتری] کو اصل الاصول اور مقصد اصل [end in itself] کے طور پر فرض [presume] کرتی ہے اور ہر عمل اور شے کی خود اس ذلیل اور فاسد اور باطل اور لغو مقصدِ اصل [یعنی سرمایہ کی بڑھوتری] کے حصول کے ذریعہ کی حیثیت کی بنیاد پر متعین کرتی ہے۔ اس بحث کی سہل ترین تشریح مولانا مودودیؒ کی کتاب ''عقل کا فیصلہ'' میں دیکھی جاسکتی ہے۔

زندگی کا مقصد سرمایہ کی بڑھوتری کے سوا کچھ نہیں ہے:

اس گفتگو سے واضح ہوتا ہے کہ سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی کا اصل الاصول [end in itself] سرمایہ کی بڑھوتری ہے۔ سرمایہ کی بڑھوتری وہ کسوٹی ہے جس پر Human being کی ہر خواہش اور خواہشات کی تمام ترتیبوں کو جانچا جاتا ہے اور ان کی تقابلی قدر [exchange value] اس قدر محض [Intrinic Value] کے مطابق متعین کی جاتی ہے۔ ہر وہ خواہش جو سرمایہ کی بڑھوتری کا ذریعہ نہیں بنتی۔ اس کی تقابلی قدر [Exchang Value] صفر یا منفی ہوتی ہے۔ مثلاً صہیب کی خواہش یہ ہے کہ میں جنت میں جاؤں تو اگر وہ جنت میں جانے کے لیے کیے گئے اعمال اور سرمایہ کی بڑھوتری کے لیے کیے گئے اعمال میں کوئی تضاد نہیں دیکھتا تو اس کے جنت میں جانے کے لیے کیے گئے اعمال کی مثبت [positive] تقابلی قدر متعین کی جائے گی۔ مثلاً صہیب میزان بینک کا آفیسر سرحد کی حکومت کا وزیر ہے اور سرمایہ دارانہ نظام زندگی کو شریعت کے مقبول طریقوں میں فروغ دینا چاہتا ہے تو سرمایہ دارانہ عقلیت اس کے ان اعمال کو مثبت تقابلی قدر [exchange value] کی حیثیت دے گی۔ ہوسکتا ہے کہ یہ قدر Standared Chartered Bank کے افسر اور شیر پاؤ پی پی پی کے وزیر کے اعمال کے مقابلہ

میں کم ہو۔لیکن ہوگی پھر بھی مثبت کیونکہ صہیب بھی پی پی پی کے وزیر اور SCB کے کارندے کی طرح سرمایہ کی بڑھوتری کو ممکن بنا رہا ہے۔

صہیب تبلیغی جماعت اور دعوۃ اسلامی کا کارکن ہے وہ سمجھتا ہے کہ جنت میں داخلہ کے لیے ضروری ہے کہ زندگی کے ایک حصہ کو سرمایہ دارانہ عقلیت سے مطلقاً پاک کرلیا جائے۔وہ زندگی کے اس حصہ میں human being نہیں بلکہ انسان کی حیثیت سے زندہ رہتا ہے لیکن زندگی کے اس ظاہر حصہ کا پرتو اپنی باقی زندگی پر نہیں پڑنے دیتا۔ وہ سرمایہ دارانہ کاروبار کرتا ہے۔مسلم لیگ میں شامل ہے، مشاعرہ منعقد کرتا ہے، اس صورت میں سرمایہ دارانہ عقلیت صہیب کے جنت میں جانے والے اعمال کو برداشت [tolorate] کرنے پر تیار ہوسکتی ہے۔وہ ان اعمال کو سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی کے فروغ اور استحکام کے لیے بے ضرر تصور کرسکتی ہے اوران کی تقابلی قدر[exchange value] صفر متعین کرسکتا ہے۔

صہیب ایک انقلابی یا مجاہد ہے۔وہ جنت میں جانے کے لیے اس بات کو ضروری سمجھتا ہے کہ سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے۔وہ سرمایہ دارانہ نظام میں رہتے ہوئے بھی اس کو تباہ و برباد کرنے کی مسلسل کوشش کرتا ہے۔کاروبار کرتا ہے تو غیر سرمایہ دارانہ اصولوں پر، سیاست کرتا ہے تو انقلابی یا جہادی۔اس کی علمی اور ادبی کاوشیں سرمایہ دارانہ عقلیت کو جہالت ثابت کرنے کی سعی ہوتی ہیں۔ان حالات میں سرمایہ دارانہ عقلیت صہیب کے جنت میں جانے والے اعمال کو منفی[negative] تقابلی قدر[exchange value] متعین کرے گی۔وہ ان عمال کو برداشت کرنے پر تیار نہ ہوگی۔اس کی نظر میں صہیب ایک دہشت گرد ہے جس کو جلد از جلد قتل کردینا چاہیے۔صہیب کو قتل کرنا اس لیے ضروری ہے کہ سرمایہ دارانہ عقلیت کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں جس سے وہ صہیب کو جہاد یا انقلاب ترک کرنے پر راضی کرسکے۔

سرمایہ دارانہ طرزِ زندگی کو رد کرنے کی اجازت نہیں:

اس مثال سے یہ بات واضح ہوجانا چاہیے کہ ”تحریک تنویر کا یہ دعویٰ کہ سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی میں فرد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جو چاہنا چاہے وہ چاہ سکے، ایک جھوٹا دعویٰ ہے فرد کو سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی کو رد کرنے کا حق نہیں۔ ہر فرد اپنی انسانیت[Man Kind] ترک کرکے human being بننے پر مجبور ہے۔سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی میں سرمایہ دارانہ عقلیت ان تمام خواہشات [یعنی عبدیت] کی ”تحدید اور تنسیخ کرتی ہے جو انسانیت کے اظہار کا ذریعہ ہوسکتیں ہیں۔اس بات کو مزید واضح کرنے کے لیے ہیومن رائٹس[Human rights] کے نظریات کو سمجھنا ضروری ہے۔

سرمایہ داری میں کس کی زندگی محفوظ ہے؟

سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی ہر human being کو تین بنیادی حقوق تفویض کرتا ہے۔

حقِ زندگی ہر human being کا حق ہے کہ وہ اپنی جان کو سرمایہ کی بڑھوتری کا ذریعہ بنائے۔جیسا کہ ۱۷ویں صدی کے مشہور فلسفی جان لاک[John Locke] نے بیان کیا، سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی میں انسانی

جسم، سرمایہ کی بڑھوتری کا ایک آلہ ہے [جس نظریہ کے تحت یہ رائے دی اس کو Labour theory of value کہتے ہیں اور ہم اس طرف پھر رجوع کریں گے] جب تک ایک human being اپنی زندگی کو سرمایہ کی بڑھوتری کے لیے آلہ کے طور پر استعمال کرتا ہے، اس کی جان محفوظ ہے جو انسان زندگی کو سرمایہ کی بڑھوتری کے آلہ کے طور پر استعمال کرنے پر تیار نہیں، ان کی جان محفوظ نہیں اور اگر وہ سرمایہ دارانہ نظام کے لیے خطرہ بن جائیں تو ان کا قتل کرنا واجب ہے۔ ۱۶ سے ۲۰ ویں صدی تک امریکہ میں نو کروڑ سرخ ہندی نسل در نسل قتل کیے گئے اور صدیوں پر محیط منظم نسل کشی اور قتل عام کو اسی بنیاد پر جائز قرار دیا تھا کہ ریڈ انڈین اپنی جان کو سرمایہ کی بڑھوتری میں کھپانے پر آمادہ نہیں۔ جارج واشنگٹن [George Washington] نے ریڈ انڈینوں کو بھیڑیے اور ابراہام لنکن [Abraham Lincon] نے ان کو سور اور سانپ کہا۔ حضرت عتبہ بن نوفل رضی اللہ عنہ تعالیٰ کے ایک قول کے مطابق امریکہ کے قدیم باشندہ حضرت یونس علیہ السلام کے امتی تھے۔ آج لاک، واشنگٹن اور لنکن کی دلیلیں جارج بش عراقی اور افغانی مسلمانوں کے قتل عام کے جواز میں پیش کر رہا ہے۔ John Locke نے

ہر شخص اپنی خواہشات کو جس طرح چاہے مرتب کرے:

دوسرا ہیومن رائٹس [human rights] اظہار آزادی ضمیر [Right of conscence] کا ہے۔ ہر human being کو حق ہے کہ وہ اپنی خواہشات کو جس طرح مرتب کرے اور خواہشات کی تمام انفرادی ترتیبوں کو سرمایہ کی بڑھوتری کی قدر مطلق [Absolute Value] پر تولے جانے کے حق پر راضی ہو۔ کسی انسان کو یہ حق نہیں کہ وہ خواہشات کی ایسی ترتیب مرتب کرے جو سرمایہ کی بڑھوتری کی قدر مطلق ہونے کی حیثیت کی نفی کرے اور سرمایہ کی بڑھوتری کی جگہ کسی دوسری قدر مطلق کا تصور پیش کرے۔ اس human rights کو نظریہ برداشت [tolerance] کے طور پر بھی بیان کیا گیا ہے۔ نظریہ برداشت [tolerance] کے مطابق:

☆ قدر مطلق صرف سرمایہ کی بڑھوتری کو حاصل ہے۔

☆ ہر خواہش کی تقابلی قدر [relative value] اس قدر مطلق کی کسوٹی پر متعین کی جائے گی۔

☆ ہر اس خواہش اور ترجیح کو برداشت کیا جائے گا جو بڑھوتری سرمایہ کے اصل الاصول کی نفی نہیں کرتیں۔

☆ ایسی کسی ترتیب خواہشات کو برداشت نہیں کیا جائے گا جو سرمایہ کی بڑھوتری کے قدر مطلق ہونے کو چیلنج کرتی ہو۔ اگر صہیب ہندو ہو جائے تو اس کو برداشت کیا جائے گا لیکن اگر وہ انقلابی یا مجاہد بن جائے تو اس کو برداشت نہیں کیا جائے گا۔

سرمایہ داری انفرادی ملکیت ختم کر دیتی ہے:

تیسرا ہیومن رائٹ حق ملکیت ہے۔ جیسا کہ ہم آگے چل کے دیکھیں گے۔ سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی ذاتی ملکیت کو ختم کر دیتا ہے اور کارپوریٹ [corporate] ملکیت کو رائج کرتا ہے۔ کارپوریشن human being کی وہ شکل ہے جو سرمایہ دارانہ نظام زندگی میں قانوناً قائم کی جاتی ہے۔ اس شکل میں Human Being اپنے

آپ کو بڑھوتری سرمایہ کے مقصد کے لیے کلیتاً وقف کر دیتا ہے۔ Copration کا مقصدِ وجود بڑھوتری سرمایہ کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا، ہر Human Being کو حق ہے کہ وہ اپنی جان [بحیثیت ملازم Employee] اور اپنا مال بحیثیت حصص دار [shareholder] کارپوریشن کے سپرد کرے اور سرمایہ کی بڑھوتری کے عمل میں اپنی ذات کو گم کر دے۔ کسی انسان کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنی دولت کو اس طرح استعمال کرے کہ وہ سرمایہ کی بڑھوتری کے عمل کی معاشرتی بالادستی کو چیلنج کرے۔ غیر کارپوریٹ ملکیت اس حد تک برداشت کی جا سکتی ہے کہ وہ سرمایہ کی بڑھوتری میں رکاوٹ نہ ہو۔ کوئی ایسی معاشی تنظیم جو سرمایہ کی بڑھوتری کی بالادستی کو چیلنج کرے برداشت نہیں کی جا سکتی۔ اسلامی بینک سرمایہ دارانہ نظام کا حصہ بنائے جا سکتے ہیں۔ ایک مکمل اسلامی نظامِ معیشت کے قیام کی اجازت کبھی نہیں دی جا سکتی۔

خلاصہ: سرمایہ دارانہ انفرادیت کی مندرجہ ذیل خصوصیات ہیں:

☆ سرمایہ دارانہ نظام زندگی آدمی کو Human being بنا دیتا ہے۔ Human being انسانیت کی ضد ہے۔

☆ human being ایک شیطانی [demonic] وجود ہے۔ وہ خود ارادیت اور خود تخلیقیت کا دعوی کرتا ہے اور اپنے وجود کو شہوت، غضب، حرص اور حسد کے سپرد کر دیتا ہے۔

☆ نظامِ سرمایہ داری کی کلیدی اقدار آزادی مساوات اور ترقی ہیں۔

☆ ان اقدار کے فروغ کا ذریعہ سرمایہ کی بڑھوتری ہے۔

☆ سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی میں سرمایہ کی بڑھوتری اصل الاصول اور قدرِ مطلق کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کو ایک ایسی کسوٹی کے طور پر قبول کیا جاتا ہے جس پر تمام اشیاء اور اعمال کو پرکھ کر ان کی تقابلی قدر متعین کی جاتی ہے۔

زندگی ضمیر املاک کو سرمایہ کے سپرد کرنے کے تین اہم طریقے:

☆ انسان کو humen being بنانے کے لیے فرد کو تین حقوق وفرائض تفویض کیے گئے ہیں:

۱۔ حقِ زندگی [جان کو سرمایہ کے سپرد کرنا]

۲۔ حقِ ضمیر [ایمان اور عقائد کو سرمایہ کے سپرد کرنا]

۳۔ حقِ ملکیت [مال کو سرمایہ کے سپرد کرنا]

☆ جو لوگ ان حقوق وفرائض کو قبول نہیں کرتے ان کو سرمایہ دارانہ نظام زندگی میں نہ زندہ رہنے کا حق ہے نہ اعتقاد اور اس کے اظہار کا نہ مال کے تصرف کا۔ صرف ایسے عقائد اعمال اور ترجیحات برداشت کیے جا سکتے ہیں جو بڑھوتری سرمایہ کی آفاقی بالادستی اور اس کے اصل الاصول ہونے کی حیثیت کو چیلنج نہ کریں۔

سرمایہ دارانہ نظام زندگی اور سرمایہ دارانہ انفرادیت کی جو تفصیل میں نے ابھی تک بیان کی وہ لبرل اور کنزرویٹیو مفکرین اور قائدین کی فکر سے ماخوذ ہے۔ اشتراکی اور قوم پرست مفکرین نے بھی سرمایہ دارانہ نظامِ

زندگی کی ایک تشریح پیش کی ہے۔

اشتراکی قوم پرست سرمایہ دارانہ اقدار کے حامی ہیں:

اشتراکی اور قوم پرست سرمایہ داری کے مفکر بھی تحریک تنویر کے وارث ہیں۔ ان میں سب سے اہم نام Hegal, Marx اور Neitzshe کے ہیں۔ یہ تینوں بھی الوہیت آدم کے قائل ہیں اور انسان کو human بنانا ان کا مشن ہے۔ یہ بھی آزادی، مساوات اور ترقی کو اقدار کے طور پر قبول کرتے ہیں اور بڑھوتری سرمایہ کو ان مقاصد کے حصول کے ایک ناگزیر اور لازمی ذریعہ سمجھتے ہیں۔

الوہیت انسانیت کے طریقے:

قوم پرست اور اشتراکی سرمایہ داری کے فلاسفر ہیگل مارکس اور نطشے humanity کو بحیثیت نوع الوہیت کا مکلّف سمجھتے ہیں۔ لبرل مفکرین کے برخلاف یہ فلاسفہ کہتے ہیں کہ Human being انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی وجود کا اظہار ہے۔ Human being اپنی الوہیت کا اظہار تاریخی عمل میں کشمکش کے ذریعہ کرتی ہے۔ قوم پرست مثلاً نطشے کہتا ہے کہ یہ کشمکش مختلف اقوام کے درمیان ہوتی ہے۔ اشتراکی سرمایہ داری کے وکیل مثلاً مارکس اس کشمکش کو طبقاتی سمجھتے ہیں۔ دونوں قسم کے مفکرین کی رائے ہے کہ اس تاریخی کشمکش میں جو قوم یا طبقہ [class] غالب آتا ہے وہی human being کا اصل نمائندہ [representative] ہوتا ہے اور وہی اپنے ارادہ کے نفاذ کے ذریعہ الوہیت human being کا اظہار کرتا ہے۔ چنانچہ پوری human نسل کا فرض ہے کہ وہ اس غالب قوم یا طبقہ کی اطاعت کرے۔ یہی غالب قوم یا طبقہ خیر اور شر کی تعبیر اور تنفیض کا حق دار ہے اور تمام human انفرادتوں کو اسی غالب قومی یا طبقاتی انفرادیت میں ضم ہو جانا چاہیے۔ یہ غالب قومی یا طبقاتی انفرادیت۔ ان تمام خصوصیات کی حامل ہوتی ہے جو لبرل مفکرین شخصی انفرادیت کے ضمن میں بیان کرتے ہیں۔ اس غالب قوم یا طبقہ کا مقصد وجود آزادی اور ترقی کا حصول ہوتا۔ یہ غالب قوم یا طبقہ آزادی اور قوت کے اضافے کی تگ و دو میں انتہا درجہ کا حریص اور حاسد ہوتا ہے اور اپنی آزادی اور ترقی کے لیے سرمایہ کی بڑھوتری ہی کو اصل ذریعہ سمجھتا ہے۔ وہ اپنی آزادی اور ترقی کے لیے لوٹ مار، قتل و غارت اور بدترین سفاکیت اور بہیمیت کو نہ صرف جائز بلکہ فرض عین گردانتا ہے کیونکہ اسی قتل و غارت، لوٹ مار اور دھوکہ اور فریب کے ذریعہ ہی اس کی آزادی اور ترقی ممکن ہوتی ہے اور اس طبقہ اور قوم کا غلبہ ہی الوہیت ہیومن بینگ [human being] کا اظہار ہے حق صرف وہ ہے جو اس اظہار کو ممکن بنا سکے۔

اشتراکی استبداد کا انجام بدترین اخلاقیات کا عروج:

قوم پرست اور اشتراکی سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی کا نظام اقتدار [state] لبرل نظام اقتدار سے مختلف ہوتا ہے [اس کی تفصیل بعد میں عرض کروں گا] اس نظامِ اقتدار میں غالب قوم یا طبقہ کی نمائندگی ایک رہبر [ہٹلر، اسٹالن] یا ایک پارٹی [نازی یا کمیونسٹ] کرتی ہے۔ اس فرد یا جماعت کا حق ہے کہ وہ خیر اور شر کی تعبیر و تشریح

کرے جو اس کی آزادی اور ترقی کے لیے سب سے زیادہ فائدہ مند ہو اور اس غالب فرد یا جماعت کا فائدہ ہی پوری قوم اور طبقہ کا فائدہ تصور کیا جاتا ہے۔ دیگر افراد کا فرض ہے کہ وہ اپنی انفرادیت، غالب پارٹی یا رہنما کی انفرادیت میں ضم کر دیں اس عمل میں مہمیز دینے کے لیے چین میں ۱۹۶۶ء میں مشہور ثقافتی انقلاب [Cultural Revolution] برپا کیا گیا اور نازی جرمن اور سویت یونین کی ثقافتی، پالیسی سوپر مین [Superman]، نیومین [New man]، سوویٹ مین [Souvait man] کو وجود میں لانے کی کوشش کرتی رہی۔ لیکن تاریخ نے ثابت کر دیا جب سرمایہ کی بڑھوتری مقصد وجود کے طور پر اجتماعی سطح پر قبول کیا جاتا ہے تو بیشتر افراد کی زندگی فاسد اور رذیل رجحانات سے ملوث ہو جاتی ہے جس کا اظہار نظام اقتدار اور غالب قائد یا پارٹی کرتی ہے۔ لہٰذا قوم پرست یا اشترا کی انفرادیت کو عام آدمی ہیجانی ادوار کے علاوہ کبھی بھی قبول نہ کر سکا اور غالب قیادت کی پالیسیوں کے نتیجہ میں ایک آدمی کی زندگی میں ہوس، حرص، شہوت رانی، دنیا پرستی، خود غرضی اور سفاکیت نے فروغ پایا اور اس کو اشترا کی اور قوم پرست نظام اقتدار کے فروغ اور استحکام کے لیے ریاستی استبداد کے ذریعہ مسلسل مجبور کرنا پڑا۔ جیسے جیسے ریاستی استبدادی گرفت ڈھیلی پڑی عام آدمی نے اشترا کی نظام سے چھٹکارا حاصل کر کے بدترین اخلاقی رذائل کو اپنا لیا۔ لوٹ مار، جھوٹ، دھوکہ اور فریب جنسی بے راہ روی اور فحاشی کا جو سیلاب آج مشرقی یورپ، روس اور چین کے ساحلی شہروں میں آیا ہوا ہے اس کی مثال تو یورپ اور امریکہ کے غلیظ ترین معاشرہ میں بھی نہیں ملتی۔

اس سے ثابت ہوا کہ اشترا کی یا قوم پرست انفرادیت کوئی علیحدہ چیز نہیں سرمایہ دارانہ انفرادیت وہ انفرادیت ہے جو:

☆ الوہیت human being کی طالب ہے۔

☆ جس کے احساسات اور خواہشات پر حرص اور حسد شہوت اور غضب حاوی ہو جاتے ہیں۔

☆ اور جو اپنی عقل کو ان ہی رذائل کے اظہار کے لیے بذریعہ بڑھوتری سرمایہ استعمال کرتی ہے۔

یہ انفرادیت شخصی بھی ہو سکتی ہے اور اجتماعی [قومی طبقاتی] بھی دونوں صورتوں میں اس انفرادیت کو پنپنے کے لیے سرمایہ دارانہ معاشرت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب میں سرمایہ دارانہ معاشرت کی بنیادی خصوصیات بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔

سرمایہ دارانہ معاشرت:

معاشرہ نظامِ زندگی کے اس شعبہ کو کہتے ہیں جہاں افراد بہ رضا اور رغبت اور بلا اکراہ و جبر دوسرے افراد سے اپنے تعلقات استوار کرتے ہیں۔ معاشرتی تنظیم اس بات پر منحصر ہے کہ جو افراد یہ معاشرہ بنا اور چلا رہے ہیں ان کے میلانات و رجحانات اور خواہشات کیا ہیں اور وہ دوسرے لوگوں سے تعلقات استوار کر کے کن مقاصد کا حصول چاہتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے اوپر دیکھا سرمایہ دارانہ انفرادیت [خواہ شخصی خواہ اجتماعی] سرمایہ کی بڑھوتری کے ذریعہ آزادی اور ترقی [یعنی تسخیر کائنات] چاہتی ہے۔ وہ حرص اور حسد اور شہوت اور غضب سے مغلوب ہوتی

ہے۔وہ کسی دوسرے کو اپنی خدائی میں شریک کرنے کو گوارا تو کرسکتی ہے بشرطیکہ یہ دوسرا اسی جیسی خصوصیات کا حامل ہو] اور اصولاً مساوات کا قائل ہونے پر مجبور ہے۔[اس مجبوری کی توجیہہ Hobbes نے سب سے واضح الفاظ میں بیان کی ہے اور سارتر Sartre کا یہ مشہور جملہ:

"Hell is other people" اس میں مجبوری کا اظہار ہے] لیکن عملاً وہ مسابقت [competition] اور نمائندگی کے ذریعے اس مساوات کی مستقل تحدید کرتا رہتا ہے۔

سرمایہ دارانہ معاشرہ اور کنٹریکٹ:

سرمایہ دارانہ انفرادیتیں جس بنیاد پر غیر جبری [voluntary] روابط قائم ہوتے ہیں وہ غرض [interest] ہے۔ ہر فرد [شخصی یا اجتماعی] ان روابط کے ذریعے دوسرے افراد کو اپنی آزادی بڑھوتری سرمایہ کا ذریعہ بناتا ہے۔روابط کے وہ نظام جو سرمایہ دارانہ انفرادیت میں بڑھوتری سرمایہ اور فروغِ آزادی اور ترقی کے لیے قائم کرتی ہیں اس نظامِ کو سرمایہ دارانہ معاشرت کہتے ہیں۔ان روابط کو متشکل کرنے کے لیے جو قانونی ذرائع استوار کیے جاتے ہیں ان کو کانٹریکٹ [Contract] کہتے ہیں سب سے بنیادی معاہدہ وہ ہے جس کو روسو [Rousseau] نے معاہدہ عمرانی [Social Contract] کہا تھا۔اس معاہدہ کے ذریعے ایک ایسی ریاست وجود میں آتی ہے جس کا مقصد وجود سرمایہ کی بڑھوتری اور فروغ آزادی ہوتا ہے۔[یہی سرمایہ دارانہ ریاست یا Constitutional Republic ہے جس کی تفصیل میں انشاءاللہ اگلے حصے میں بیان کروں گا۔اسی ریاست کی پشت پناہی اور قانونی اور عسکری تحفظ کے بل بوتے پر مارکیٹ [Market] وجود میں آتے ہیں۔

مارکیٹ سرمایہ داری کا بنیادی ادارہ ہے:

مارکیٹ سرمایہ دارانہ معاشرت کا بنیادی ادارہ ہے۔ مارکیٹ بازار نہیں ہے کیونکہ مارکیٹ ذاتی ملکیت کو ختم کرکے سرمایہ دارانہ ملکیت [Corporate property] کو وجود میں لاتا ہے اور اس کی سماجی بالادستی کو مستحکم کرتا ہے۔ کارپوریشن وہ شخصیتِ قانونی ہے جس کا واحد مقصد وجود سرمائے کی بڑھوتری [Maximisation of Shareholder's value] ہے۔کارپوریشن کو ایک ایسی انتظامیہ چلاتی اور قابو کرتی ہے جو سرمایہ کی بڑھوتری میں اضافہ کرنے کی مہارت رکھتی ہے۔انتظامیہ میں شامل افراد کارپوریشن کے مالک نہیں ہوتے۔کارپوریشن کی [فرضی] ملکیت لاتعداد حصص کنندگان کے پاس ہوتی ہے جو عملاً کمپنی کے معاملات میں دخل اندازی اور اس کی کاروباری حکمت عملی کی ترویج میں حصہ لینے کے قابل نہیں ہوتے۔ان کا مطالبہ کارپوریشن کی انتظامیہ سے صرف یہ ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ منافع کمایا جائے۔انتظامیہ اس بات پر مجبور ہے کہ وہ صرف وہ حکمتِ عملی اپنائے جس کے بروئے کار لانے سے سرمایہ کی بڑھوتری کی رفتار تیز سے تیز ہو اور Share holder کی Value زیادہ سے زیادہ [Maximize] ہو۔اگر مینجمنٹ ایسی حکمتِ عملی اختیار نہیں کرتی ہے تو کارپوریشن دیوالیہ ہوجائے یا کسی دوسری مینجمنٹ کا اس پر قبضہ جما لینے بذریعہ [takeover-merger] کا خطرہ پیدا ہوجاتا ہے۔حقیقتاً نہ شیئر ہولڈر کارپوریشن کا مالک ہوتا ہے نہ مینجمنٹ اس کا

مالک ہوتا ہے۔ کارپوریشن کا اصل مالک صرف سرمایہ۔ یعنی حرص اور حسد ہے۔ سرمایہ مینجمنٹ اور حصص کنندگان کو اس بات پر مجبور کر دیتا ہے کہ وہ صرف ایسی حکمت عملی اپنائیں جس کے نتیجہ میں حرص وحسد پورے معاشرہ کو اپنی گرفت میں جکڑ لیں۔

مارکیٹ بازار کھا جاتا ہے کارپوریٹ ملکیت ذاتی ملکیت ختم کر دیتی ہے:

مارکیٹ کے ذریعہ لوگوں کی دولت کھینچ کھینچ کر کارپوریشنوں کی مینجمنٹ کے ہاتھوں میں مرتکز ہو جاتی ہے اور وہ اس دولت کو سرمایہ کی بڑھوتری کے عمل کو مہمیز دینے کے لیے استعمال کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ جیسے جیسے کارپوریشنوں کی بالادستی اور انتظامی فوقیت مستحکم ہوتی ہے ذاتی کاروبار اور بازار کا دائرہ کار محدود سے محدود ہوتا چلا جاتا ہے۔ مارکیٹ بازار کو کھا جاتا ہے اور کارپوریٹ ملکیت ذاتی ملکیت کو برباد کر دیتی ہے۔ ہر شخص سرمائے کا فرد بننے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اجرتوں کا نظام معاشرتی تسلط حاصل کر لیتا ہے۔ ۹۹ فیصد افراد کی آمدنی کا ذریعہ اجرت بن جاتی ہے۔ آدمی اپنی دولت خود استعمال کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ جیسے جیسے کارپوریشنیں معاشی عمل پر حاوی ہوتی ہیں اور جیسے جیسے مارکیٹ کا دائرہ کار وسیع ہوتا جاتا ہے آدمی اپنی دولت کو خود استعمال کر کے روزی کمانے کے قابل نہیں رہتا۔ ہر شخص بینک میں اکاؤنٹ کھولتا ہے، یا حصص اور بانڈ خریدتا ہے، یوں اس کی دولت اس کے تصرف سے آزاد ہو کر کارپوریشن کی مینجمنٹ کے پاس پہنچ جاتی ہے اور کارپوریشن کا مینجمنٹ اس دولت کو بڑھوتری سرمایہ کو مہمیز دینے کے لیے استعمال کرنے پر مجبور ہے۔

زر کا بازار اور سرمایہ کی مارکیٹ: دو اہم ادارے

سرمایہ کی بڑھوتری اور ارتکاز کو فروغ دینے کے لیے دو منفرد بازار ۱۹ ویں صدی میں قائم کیے گئے۔ ایک زر کا بازار [money markt] اور دوسرا سرمایہ کا مارکیٹ [Capital Market]۔ ۲۰ ویں صدی سے قبل پوری اسلامی تاریخ میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے حضرت سلطان المعظم خلیفہ عبدالحمید ثانی کے انتقال تک] اس گھناؤنے کاروبار کا کہیں وجود نہ تھا۔ زر کے مارکیٹ اور سرمایہ کے مارکیٹ کے دو بنیادی وظائف ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ بچت کرنے والے [Saver] کی دولت کو کاروبار میں لگانے والے [invester] سے جدا کر دے۔ بچت تو عوام کریں لیکن اس بچائی ہوئی دولت کا استعمال صرف وہ مینجمنٹ کرے جو اس دولت کو صرف اور صرف سرمایہ کی بڑھوتری کے عمل کو مہمیز دینے کی صلاحیت بھی رکھتی ہے اور اس پر مجبور بھی ہے۔ یوں سرمایہ کا لامحدود ارتکاز ممکن ہوتا ہے۔ چونکہ سرمایہ محض حرص اور حسد ہے اور اس کے علاوہ اس کی کوئی منجمد [concerete] حیثیت نہیں لہٰذا اس کی بڑھوتری [accumalation] کی بھی کوئی حیثیت نہیں۔ آپ کسی منجمد شے [مثلاً سیب یا زمین یا مشینری] اور کسی ایسی خدمت [مثلاً دنداں سازی، مکانوں کو خرید و فروخت کا کاروبار یا فوجی خدمات] جن کے نتیجہ میں کوئی جسمانی ضرورت پوری ہو لامتناہی بڑھوتری [Accumalation for the sake of accumulation] کا ذریعہ نہیں بن سکتی۔ مثلاً دندان سازی کے کاروبار کی حد دنیا بھر میں دانتوں کی تعداد متعین کرتی ہے۔ سیبوں کو لامتناہی مقدار میں جمع نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ کبھی نہ کبھی ضرور سڑ جائیں گے۔ فوجی خدمات کو

اس حد سے زیادہ جمع کرنا بے معنی ہے جب وہ تمام عالم کو فتح کرنے کے لیے کافی ہو جائیں۔

سرمایہ دارانہ زر کیا ہے؟

لہٰذا سرمایہ، یعنی حرص اور حسد کی لامتناہی بڑھوتری [accumalation for the sake of accumulation] کو بروئے کار لانے کے لیے ایک ایسی شے کی ضرورت ہے جس کی

☆ اپنی کوئی منجمد ماہیت نہ ہو

☆ جس کے ارتکاز اور اجتماع کی کوئی فطری حد نہ ہو۔

یہ شے سرمایہ دارانہ زر ہے سرمایہ دارانہ زر کے پیچھے کوئی منجمد شے مثلاً سونا، چاندی، دھات وغیرہ نہیں۔ سرمایہ دارانہ ریاست اور سرمایہ دارانہ نظامِ بینکاری جتنا چاہے اور جب چاہے سرمایہ دارانہ زر بنا سکتا ہے۔ سرمایہ دارانہ زر کے اعتبار کی اجراء ضمانت صرف اور صرف سرمایہ دارانہ ریاست کی حاکمیت [Soverignity] فراہم کرتی ہے۔ سونا یا چاندی کے ڈھیر یہ ضمانت فراہم نہیں کرتے۔ سرمایہ دارانہ زر کے اجراء اور گردش کا مقصد صرف اور صرف سرمایہ کی بڑھوتری ہوتا ہے۔ سرمایہ دارانہ زر کی مقدار صرف سرمایہ کی بڑھوتری کے زمانی اور مکانی امکانات کرتے ہیں اور چونکہ سرمایہ یعنی حرص وحسد کی بڑھوتری کے کوئی اصولی حدود نہیں لہٰذا سرمایہ دارانہ زر بھی لامحدود بڑھوتری کا معمول [agent] ہے۔ دوسری جنگ عظیم [بالخصوص Bretton woods کے مالیاتی نظام کے انہدام] کے بعد سرمایہ دارانہ زر کا تعلق سونے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے منقطع کر دیا گیا۔ ۱۹۷۹ء کے بعد سے سرمایہ دارانہ زر کا تعلق کاغذ سے بھی بتدریج منقطع کیا جا رہا ہے اور سرمایہ دارانہ نظام کے حکام چاہتے ہیں کہ وہ وقت جلد آئے جب سرمایہ دارانہ زر صرف اور صرف کمپیوٹر کی یادداشت مقدارِ محض [Pure Quantity] کی اعدادی [Numerical] شکل اختیار کر لے۔

ہر شے اور عمل کی قدر زر کا بازار متعین کرتا ہے:

سرمایہ کی لامتناہی بڑھوتری سرمایہ دارانہ بازار زر کا بازار اور سرمایہ کا بازار ممکن بناتے ہیں۔ ان بازاروں کا دوسرا اہم فریضہ یہ ہے کہ یہ ہر شے اور عمل کی قدر متعین کرتے ہیں۔ جیسا کہ میں نے اوپر عرض کیا سرمایہ دارانہ نظام زندگی کی قدرِ مطلق [absolute value] یہ ہے کہ وہ human being کے کائناتی اختیار کو لامحدود بنا دے۔ [انسان کو خدا بنا دے] یہ قدرِ مطلق سرمایہ دارانہ معاشرہ میں سرمایہ کی لامتناہی بڑھوتری، حرص اور حسد کے لامحدود فروغ کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ سرمایہ دارانہ معاشرہ کی ضرورت ہے کہ وہ ہر شے اور ہر عمل کی تقابلی قدر [Relative value] اسی پیمانہ کی بنیاد پر متعین کرے، قدر کے تعین کا یہ کام سرمایہ دارانہ بازار انجام دیتے ہیں۔ سرمایہ کے بازار [capital market] میں حصص اور تمسکات [bonds] کی خرید وفروخت کا کاروبار ہر لمحہ جاری وساری رہتا ہے۔ ہر شیئر اور بانڈ کی قیمت اس بات پر منحصر ہوتی ہے کہ وہ کتنا منافع دیتا ہے۔ تصور کیجیے کہ حصص کے بازار میں دو کمپنیاں ہیں کمپنی الف جائے نماز بناتی ہے اور کمپنی ب فحش فلمیں بناتی ہے۔ جب بازار میں ان کمپنیوں کے حصص کی قیمتیں متعین کی جائیں گی تو اس چیز کو نظر انداز کیا جائے گا کہ کمپنی الف اور کمپنی ب کا

کاروبار کیا ہے؟ سوال صرف یہ اٹھایا جائے گا کہ کونسی کمپنی زیادہ منافع کمانے کے قابل ہے۔کونسی کمپنی زیادہ ڈیویڈنڈ [Divident] دے گی۔اگر جائے نماز بنانے کا کاروبار زیادہ منافع بخش ہونے کی توقع ہے تو اس کے حصص کی قیمت فحش فلمیں بنانے والی کمپنی کے حصص کی قیمت کے مقابلے میں زیادہ ہوگی۔اگر فحش فلمیں بنانے کا کاروبار زیادہ منافع بخش ہے تو اس کمپنی کے حصص کی قیمت جائے نماز بنانے والی کمپنی کے حصص کے مقابلے میں زیادہ تیزی سے بڑھے گی۔جس کمپنی کے حصص کی قیمت زیادہ ہوگی پیسہ اس ہی کی طرف کھنچ کے آئے گا۔اگر جائے نماز بنانے والی کمپنی کے حصص کی قیمت گرے گی تو اس کی مینجمنٹ اس بات پر مجبور ہوگی کہ وہ جائے نماز بنانا چھوڑ دے ورنہ کمپنی دیوالیہ ہوجائے گی۔فحش فلمیں بنانے والی کمپنی اس کو خرید لے گی اور فحش تصاویر کے ذریعے اس کاروبار کو فروغ دینے کے مزید ممکنہ طریقے تلاش کرے گی۔طلب ورسد کا فرانہ قانون کے تحت یہ طرز عمل فطری قرار دیا جاتا ہے۔

شیئر بانڈ خریدنے والا اس کے مالک اور اس کے استعمال سے لاعلم رہتا ہے:

جب ایک عام خریدار شیئر یا بانڈ خریدتا ہے تو اس کو یہ بالکل علم نہیں ہوسکتا ہے کہ اس پیسے سے کیا کام کیا جائے گا۔اول تو ۹۵ فیصد حصص اور بانڈ کی ملکیت ہی نامعلوم ہے۔کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس شخص کی ملکیت والے حصص یا بانڈ خرید رہا ہے۔دوسرے جو حصص یا بانڈ تازہ اجراء [New Issue] والے ہوتے ہیں ان کو خریدنے والے عملاً اس بات کو متعین کرنے سے قاصر ہیں کہ اس پیسہ سے حصص یا بانڈ جاری کرنے والی کمپنی یا حکومت کیا کرے گی۔یہی بات واضح کرتی ہے کہ سرمایہ دارانہ ملکیت ذاتی ملکیت نہیں۔اس نظام میں ذاتی ملکیت محض ایک قانونی دھوکہ [legal Fiction] ہے۔ایک عام فرد اس بات پر مجبور ہے کہ اپنی تمام بچتیں بینکوں یا کارپوریشنوں کے ذریعہ سرمایہ کے حوالے کردے اور صرف اس بات سے غرض رکھے کہ بچت کی اس سپردگی کے نتیجہ میں اس کو کتنا سود مل رہا ہے۔کتنا ڈیویڈنٹ مل رہا ہے کتنا capital gain ہو رہا ہے۔سرمایہ منجمد نہیں۔وہ ہر دم اپنی بڑھوتری کے لیے اشیا اور خدمتوں کے درمیان گردش کرتا ہے۔سرمایہ حرص اور حسد ہے۔حرص اور حسد انسانی زندگی میں پوری طرح سرائیت کرنے کی متقاضی ہے جب تک معاشرے کا ہر فرد تاجر، مزدور، منیجر، حصص کنندگان، بینک کا ڈیپازیٹر اپنے آپ کو سرمایہ کے حوالے نہ کردے شیطنت یعنی humanism کو غلبہ عمومی حاصل نہیں ہوسکتا۔سرمایہ دارانہ معاشرت اسی ہی شیطنت humanism کے عام غلبہ کی غماز ہے۔

سول سوسائٹی کا مطلب مذہبی معاشرہ کا خاتمہ ہے:

سرمایہ دارانہ معاشرت مارکیٹ پر مسلط ہوجانے کا مسلسل عمل ہے۔سرمایہ دارانہ معاشرہ میں مارکیٹ زندگی کے ہر شعبہ کو مسخر کرلیتی ہے۔سرمایہ دارانہ معاشرت کا بنیادی غیر معاشی تعلق سرمایہ دارانہ معاشرت کا غلبہ اور استحکام اور زنا اور آزاد شہوت رانی کا عام ہوجانا ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔سرمایہ دارانہ معاشرت غلاظت، نجاست اور پلیدگی کی نچلی ترین سطح ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک human یعنی شیطانی معاشرہ ہوتا ہے۔اس معاشرہ کو civil society کہتے ہیں۔یہ سول سوسائٹی لازماً مذہبی سوسائٹی کے انہدام کے ذریعہ قائم ہوتی ہے۔

ساحل اگست ۲۰۰۶ء

سول سوسائٹی میں مذہبی اقدار لغو ہوتی ہیں:

جان اسٹیورٹ مل [John Steart Mill] نے حق زنا کو ایک human right کے طور پر پیش کیا ہے۔ سول سوسائٹی تمام مذہبی اقدار و اعمال کو لغو اور لایعنی ثابت کرتی ہے۔ سول سوسائٹی میں جو ذہنیت کارفرما ہوتی ہے۔ وہ عقلیت ہے۔ اس ذہنیت کو rationality کہتے ہیں اور اس کا اظہار سائنس اور فلسفہ کے ذریعہ ہوتا ہے۔ rationality ہر فعل کو خود ارادیت، خود تخلیقیت اور خود غرضیت کے پیمانے پر تول کر اس کی تقابلی قدر متعین کرتی ہے۔ اس پیمانے پر تولا جائے تو للّٰہیت محبت، طہارت، عفت، تقویٰ، غیرت، ایثار، اور شہادت بالکل بے وقعت اور بے قدر نظر آتی ہیں۔ سول سوسائٹی میں ان اوصاف کے پنپنے کی کوئی گنجائش نہیں سول سوسائٹی ان اوصاف کے فروغ پانے کو مشکل سے مشکل بنادیتی ہے۔ اس کا نظامِ تعلیم تسخیر کائنات اور تمام فطری قوتوں کو human کے ارادہ کے مطیع بنانے کو مقصد کے طور پر قبول کرنے کی ایمانیات کو مستحکم کرتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظامِ تعلیم انسان کو زیادہ سے زیادہ خودغرض، سفاک لذت پرست، ہوسناک اور خدا کا باغی بناتا ہے۔ سرمایہ دارانہ تصورِ عدل خودغرضیت اور خود ارادیت [liberty] کے مساوی [equal] فروغ کو تصور کیا جاتا ہے۔ ایک ایسا معاشرہ جہاں خودغرضیت اور لذت پرستی کا فروغ مقصد وجود ہو اور جس کا پیمانہ عدل ہی خود ارادیت کے مساوی مواقع فراہم کرتا ہو وہاں شیطان ہر فرد کے دل اور دماغ پر قابض نہ ہوگا تو اور کیا ہوگا۔

انفرادیت کا اظہار صرف صارف کی حیثیت سے ہوتا ہے:

سول سوسائٹی کا ایک عام باشندہ اپنی انفرادیت کا اظہار عمل تصرف [Consumption] کے ذریعہ کرتا ہے۔ human اختیار کے لامحدود ہونے کا اظہار عملاً اشیائے صرف کے درمیان لامحدود اختیار کے ذریعہ ہی کیا جاتا ہے۔ مثلاً امریکہ میں آپ ۶ لاکھ قسم کے صابنوں میں سے کوئی بھی خرید سکتے۔ کئی ہزار ٹی وی چینلز میں سے کوئی بھی دیکھ سکتے۔ سینکڑوں طریقوں سے جنسی آسودگی حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن کوئی بھی صابن خریدیں، کوئی چینل دیکھیں کسی بھی طریقہ سے جنسی آسودگی حاصل کریں مقصد آپ کا حصول لذت اور اپنے ارادہ کی تکمیل ہے۔ حصول لذت اور ارادہ کی تکمیل کے سوا سرمایہ دارانہ معاشرہ اظہار ذات کے ہر دوسرے طریقہ کو ناممکن بنا دیتا ہے کیونکہ حصول لذت اور تکمیل ارادے کے ذریعے ہی سرمایہ کی بڑھوتری کا نظامِ بالادستی قائم کرتا ہے۔ حرص اور ہوس، لذت پرستی اور خود پرستی ہی سے فروغ پاتی ہیں۔ ان کو فروغ دینے کے دوسرے کوئی ذرائع موجود نہیں۔

جہاں سرمایہ داری ہے وہاں گناہگاروں کی تعداد تیزی سے بڑھ رہی ہے:

اس سے ثابت ہوا کہ سرمایہ دارانہ عقلیت [epistimology] اور سرمایہ دارانہ عمل [Practice] معاشی حدود تک محدود نہیں رہ سکتے۔ دنیا میں آج کوئی ایسا ملک موجود نہیں جہاں سرمایہ دارانہ معیشت ترقی کر رہی ہو۔ لیکن خاندان تباہ نہ ہو رہے ہوں۔ زنا عام نہ ہو رہا ہو۔ ادب اور ثقافت، دھوکہ، غلیظ ترین اور فحش ترین رجحانات کی عکاسی نہ کر رہا ہو۔ استبداد اور جعل سازی اور ظلم عام نہ ہو۔ مارکیٹ contract کے تمام اعمال بھی مساوی آزادی [equal freedom] کا اظہار ہیں اور سول سوسائٹی اسی غلاظت، سفاکیت اور نجاست کا مرکب ہے۔

ساحل اگست ۲۰۰۶ء

سرمایہ داری کا فطری نتیجہ زنا کاری ہے جو آبادی ختم کر رہی ہے:

سرمایہ دارانہ معاشرت انسانیت کے رذیل ترین رجحانات کا اظہار سرمایہ دارانہ معاشرتیں اجتماعی خود کشی کر رہی ہیں۔ زنا کا معاشرتی غلبہ لامحالہ انسانی نسل کی کی تحدید پر منتج ہوتا ہے۔ جن ممالک میں سرمایہ دارانہ معاشرت نے فروغ پایا ان کی آبادی ۱۹۰۰ میں دنیا کی آبادی کا ۱۴فی صد تھی۔ ۲۰۰۰ میں یہ شرح گر کر ۱۳فی صدرہ گئی اور اقوام متحدہ کے اندازوں کے مطابق ۲۰۵۰ء میں یہ شرح ۴فی صدرہ جائے گی۔ انہی اندازوں کے مطابق اگر موجودہ معاشرتی رجحانات برقرار رہے تو چند صدیوں میں جرمنی، جاپان، فرانس اور اٹلی کی قومیں مکمل طور پر مٹ جائے گی۔ جن ایشیائی ممالک نے سرمایہ دارانہ معاشرت کو اپنایا ہے ۔ بالخصوص چین، ہندوستان، جنوبی کوریا اور تائیوان۔ وہاں بھی قومی آبادی گھٹنا شروع ہوگئی ہے۔

جبر و ترغیب: سرمایہ داروں کے دو ہتھکنڈے

مرد و زن کے فطری دائرہ کار اور نظامِ تعلقات کو تباہ کر کے انسان کو شیطان human بنانے کا جو عمل سرمایہ دارانہ نظام زندگی نے رائج کیا ہے۔ اس کو جاری رکھنا ایک مشکل کام ہے۔ سرمایہ دارانہ انفرادیت اور معاشرت کو قائم رکھنے اور فروغ دینے کے لیے ترغیب کی بھی ضرورت پڑتی ہے اور جبر کی۔ جبر اور ترغیب کو منظم کرنے کے لیے جو ادارے بنائے گئے ہیں ان کے مجموعے کو سرمایہ دارانہ ریاست کہتے ہیں۔ اسی ریاستی نظام نے سرمایہ دارانہ انفرادیت اور معاشرت کو جنم دیا اور آج بھی سرمایہ دارانہ انفرادیت اور معاشرت کے استحکام اور پیدائش کے لیے سرمایہ دارانہ ریاست پر اس معاشرت کا انحصار ناگزیر ہے اب میں سرمایہ دارانہ ریاستی نظام کی اہمیت خصوصیات بیان کروں گا۔

سرمایہ دارانہ ریاست

ریاست اس نظامِ اقتدار کو کہتے ہیں جس کو معاشرتی مقبولیت یا برداشت حاصل ہو [اس کی تفصیل میں پہلے عرض کر چکا ہوں] سرمایہ دارانہ ریاست اس نظامِ اقتدار کو کہتے ہیں جس کی مندرجہ ذیل خصوصیات ہوں۔

- ☆ اس کا مقصدِ وجود سرمایہ کی بڑھوتری ہو۔
- ☆ اس مقصد کے حصول کے لیے وہ سرمایہ دارانہ شخصیت اور سرمایہ دارانہ معاشرت کو قائم اور مستحکم کرتی ہو۔
- ☆ حقوق اور فرائض کے اس نظام کو نافذ العمل بناتی ہو جس کے نتیجہ میں سرمایہ دارانہ شخصیت اور سرمایہ دارانہ معاشرت فروغ پائے۔

سرمایہ دارانہ مفکر مذہب کا اخراج چاہتے تھے:

سرمایہ دارانہ ریاست کی چند مبہم تصویریں Machiavelli کی تحریروں میں ملتی ہے لیکن اس کی وضاحت سترھویں اور اٹھارویں صدی کے تنویری فکر سے متاثر مفکرین بالخصوص Roussoeau،Locke ، Monteque اور Jefferson نے پیش کیں۔ ان تمام مفکرین کا نکتہ اتفاق یہ تھا کہ مذہب کو سیاسی عمل سے

خارج کرنا چاہتے تھے۔ Locke اس مذہبی ریاست کا شدید مخالف تھا جو Oliuer Cromwell نے ۱۷ ویں صدی کے وسط میں انگلستان میں قائم کی، روسو اور مونٹیسکیو کیتھولک چرچ کے کھلے دشمن تھے، جیفرسن امریکہ میں ایک سیکیولر سرمایہ دارانہ وفاقی [federal] نظامِ اقتدار قائم کرنے کا خواہاں تھا یہ سب رپبلیکن [republican] تھے اور اس لحاظ سے ان کی فکر کا افلاطون کی سیاسی فکر سے خاص تعلق تھا۔ افلاطون نے بھی سیاسی فلسفہ پر جو کتاب مرتب کی اس کا نام Republic رکھا اور اس کی نگاہ میں رپبلیکن نظام اس سیاسی تنظیم کو کہا جاسکتا ہے جہاں خیر اور شر کے پیمانے اور ان کو نافذ کرنے والا نظامِ اقتدار انسانی فکر نے جرح اور تعدیل کے لیے مروج کیا ہو۔ ارسطو سمجھتا تھا کہ بحث اور جرح اور تعدیل کے ذریعے زندگی گزارنے کا بہترین طریقہ دریافت کیا جاسکتا ہے اور وہ نظامِ اقدار قائم کیا جاسکتا ہے جو تمام انسانیت کے مفاد میں ہو اور جو سب کو عدل مہیا کرنے کے قابل ہو۔

مرضی رب انسان کے ارادہ عمومی کا نام ہے:

اٹھارویں صدی کے تنویری سیاسی فلسفہ میں بھی بنیادی سوال یہی ہے کہ وہ نظامِ اقدار کونسا ہے جو سب کے مفاد میں ہو؟ عیسائیت انسان کا مفاد رضائے الٰہی کے حصول میں دیکھتی تھی اور جیسا کہ میں نے اوپر عرض کیا تحریک تنویر کے مفکرین اس کو قطعاً اور کلیتاً رد کرتے تھے۔ human being فطرتاً آزاد ہے۔ روسو نے کہا "Man is born free" اور سیاسی عمل کا مقصد ان زنجیروں [chains] کو توڑ دینا ہے جن میں کیتھولک چرچ نے اس کو جکڑ رکھا ہے۔ لاک [Lock] نے کہا کہ بائبل کسی واضح سیاسی تعلیمات کی نشاندہی نہیں کرتی لہٰذا مرضی رب human beings کے ارادہ عمومی [general will] کے ہم معنی ہے۔

سٹیزن خیر وشر کے پیمانے خود بنا سکتا ہے:

تنویری سیاسیات [اس کو آج Political Science کہا جاتا ہے اور political science کی اولین باضابطہ تشریح امریکہ کے دستور سازوں کی تصنیف Federalist Papers میں ملتی ہے] کا کلیدی تصور ارادہ عمومی [general will] ہے۔ روسو نے کہا کہ اس جنرل وِل کے اظہار کا ذریعہ وہ معاہدہ عمرانی [social contract] ہے جس کے ذریعہ human being ایسی حکومت بناتے ہیں جو آزادی [liberty] کی منتہا بڑھوتری [maximisation] کو اپنے مقصد وجود کے طور پر قبول کرتی ہے۔ اس حکومت کا اساسی عقیدہ Liberty کی maximisation ہے اور اس عقیدہ کا اظہار ان human rights کو مقدس [sacrosanct] اور غیر مقبول مان کر کیا جاتا ہے جو سرمایہ دارانہ انفرادیت معاشرے اور نظامِ اقتدار کو قائم کرنے اور فروغ دینے کے لیے ضروری ہیں۔ یہ human right ہر سرمایہ دارانہ ریاست کے دستور کا مقدمہ ہوتے ہیں اور یہ دستور صحیفہ مقدس [انجیل، توریت، قرآن، ویدا] کا عملی بدل ہے۔ دستور humanity کی لا محدود اور دائمی حاکمیت [sovergnity] کا اعلان کرتا ہے۔ human being کو سٹیزن بناتا ہے۔ اور سٹیزن وہ ہے جو اس بات پر ایمان لائے کہ وہ خیر وشر کی جو بھی تعبیر کرنا چاہے کرنے کا حق رکھتا ہے۔ سوائے اس تعبیر کے کہ خیر وشر کی کسی ایسی تعبیر کو قبول کیا جائے جو سٹیزن کے اس حق کی نفی کرتی ہے۔

ساحل اگست ۲۰۰۶ء

انسان کو Human بنانا کیوں ضروری ہے؟

یونان اور مغرب میں بنیادی فرق:

قدیم یونانی تصورِ جمہوریت اور تنویری تصور جمہوریت [اس کو لاک Representative government کہتا ہے] میں ایک بنیادی فرق ہے۔ یونانی سیاسی مفکرین فلسفہ human rights سے آشنا نہ تھے Athens کے Citizens کا یہ حق تسلیم کیا جاتا تھا کہ وہ اپنی اور اپنے ماتحتوں کی آزادی سلب کریں اوران کی ریپبلک آزادی کی لامحدود بڑھوتری [maximisation of liberty] کو اپنا مقصدِ وجود تسلیم نہیں کرتی تھی۔ انہی معنوں میں ایتھنز کی ریپبلک سرمایہ دارانہ ریپبلک نہ تھی اس کے برعکس ۱۸ ویں صدی میں قائم ہونے والی امریکی اور فرانسیسی ریپبلکوں نے اپنے دساتیر کے ذریعہ سرمایہ داری کو اپنے مقصدِ وجود کے طور پر قبول کیا۔ انہی معنوں میں امریکی اور یورپی ریاستیں سرمایہ دارانہ ریپبلک ہیں دستوری ریاستوں میں کسی سٹیزن کو یہ حق نہیں کہ وہ آزادی کی لامتناہی بڑھوتری [maximisation of liberty] کے سوا کسی اور مقصد کو ریاست کے مقصدِ وجود کے طور پر نافذ کرنے کی کوشش کرے اس بات کو واضح کرنے کے لیے روسو نے ارادہ اجتماعی [will of all] کو ارادہ عمومی [general will] سے ممیّز کیا ہے۔ ارادہ اجتماعی اکثریتی رائے ہے اور وہ بدلتی رہتی ہے۔ ارادہ عمومی [general will] غیر متبدل ہے وہ صرف اور صرف آزادی کی لامحدود بڑھوتری کا دوسرا نام ہے۔ ارداہ اجتماعی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ آزادی کی لامتناہی بڑھوتری کے مختلف طریقہ پسند کرے لیکن اس کو یہ حق نہیں کہ وہ آزادی کی لامحدود بڑھوتری کے سوا کسی اور مقصد کو نظام اقتدار کے مقصدِ وجود کے طور پر اپنائے۔ روسو اور لاک سے لیکر دورِ حاضر کے تنویری سیاسی فلاسفہ [مثلاً Rawls، Habermas اسی بات پر اصرار کرتے ہیں کہ اگر ارادہ اجتماعی ارادہ عمومی [آزادی کی لامحدود بڑھوتری] کی نفی کرے تو دستوری ریاست کا فرض ہے کہ وہ ایسے ارادہ اجتماعی کو فسخ اور ساقط کرے تنویری مفکرین ہمیشہ ارادہ اجتماعی کے غیر سرمایہ دارانہ اظہار سے خائف رہے ہیں۔ سرمایہ دارانہ ریاستوں نے جن معاشروں میں نشو ونما حاصل کی ہے ان میں بیشتر میں کم ازکم بیسویں صدی کی ابتدا تک انسانوں کی اکثریت اور human being کی ایک قلیل اقلیت تھی جو معاشرتی وسائل پر قابض تھی انسانوں کو human بنائے بغیر ارادہ اجتماعی اور ارادۂ عمومی میں تطبیق پیدا کرنا ممکن نہ تھا۔ رائے دہندگان کے دائرہ کو اسی رفتار سے وسعت دی جاسکتی تھی جس رفتار سے انسان human بن رہے تھے۔ لاک اور جیفرسن نے اس عمل کو تیز کرنے کے لیے دو حکمت عملیاں مروج کیں۔

Human Being کا وجود سرمایہ داری میں کیوں ضروری ہے؟

لاک نے کہا کہ سرمایہ دارانہ ریاست کو نمائندہ حکومت [Representative government] ہونا چاہیے۔ ایتھنز میں ہر سٹیزن ریاستی فیصلہ میں شامل ہونے کا مجاز تھا۔ لاک نے کہا کہ یہ اصول قابل عمل نہیں۔ سٹیزن کو اپنا نمایندہ منتخب کرنے کا حق ہے اور حکومتی فیصلوں کا حق صرف نمائندگان کو ہے۔ چونکہ سرمایہ دار تنظیم میں معاشرہ اور معیشت کے ذریعہ وسائل کر human being کے پاس جمع ہوتے ہیں لہذا ان کا نمایندہ

منتخب ہونے کا امکان بہت زیادہ ہوتا ہے۔ایوان نمایندگان میں بہت کم انسان پہنچ پاتے ہیں اور عموماً معاشرہ میں اکثریت میں ہونے کے باوجود انسانوں کی نمایندگی سرمایہ دارانہ مقنّنہ اداروں میں human being ہی کرتے ہیں۔

جیفرسن [Jefferson] نے کہا کہ یہ پیش بندی کافی نہیں سرمایہ دارانہ نظامِ اقتدار کو انسانیت سے محفوظ رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس نظامِ اقتدار کو تین حصوں میں تقسیم کردیا جائے۔ مقنّنہ [Legslitive] انتظامیہ [executive] اور عدلیہ [judicrary]۔نمایندگی کو صرف مقنّنہ کے ایوانِ زیریں تک محدود رکھا جائے۔صرف وہی شخص عدلیہ اور انتظامیہ کا کارپرداز بن سکتا ہے جو سرمایہ دارانہ علیت کو پورے طور پر اپنی انفرادیت میں سموچکا ہو۔عدلیہ اور انتظامیہ کے ہی human کارپرداز مقنّنہ کے فیصلوں کی عملی تشریح اور نفاذ کے ذمہ دار ہوں۔weber نے بھی سرمایہ دارانہ نظامِ اقتدار انتظامیہ بالخصوص beaurocracy کی بالادستی کو ضروری سمجھا ہے۔

سوشل ڈیموکریسی انسان کو Human بنانے کی تحریک:

انیسویں صدی کے وسط سے یورپ اور امریکہ میں انسانوں کو human بنانے کے لیے عوامی تحریکیں برپا ہوئیں۔ان میں سب سے اہم تحریک وہ ہے جس کو ہم سوشل ڈیموکریٹ [social democrat] تحریک کہتے ہیں۔ یہ تحریک سرمایہ دارانہ نظام میں مزدوروں کو حقوق دلانے کی تحریک تھی۔سرمایہ دارانہ نظام میں حقوق کے طلب گار کے لیے ضروری ہے کہ وہ پہلے human بنے۔انسانوں کا تو کوئی حق سرمایہ دارانہ نظام قبول نہیں کرتا۔یہی وجہ ہے کہ لاک اور جیفرسن کروڑوں سرخ ہندیوں [Red Indians] کے قتل عام کے پرزور حامی تھے اور یہی وجہ ہے کہ امریکہ کے عوام کی بڑی اکثریت دورِ حاضر میں لاکھوں افغانیوں اور عراقیوں کے قتلِ عام کو ضروری سمجھتی ہے کیوں کہ اس مستقل قتل عام کے بغیر وہاں دستوری سرمایہ دارانہ ریاست قائم نہیں کی جاسکتی۔

سوشل ڈیموکریٹک تحریک کے فلاسفہ [مثلاً Mill، Weiser، TH. Green وغیرہ] نے کہا کہ مزدور human بنناچاہتے ہیں۔ان کو سرمایہ دارانہ ریاستی نظام میں ضم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ human beings کے تصور میں توسیع کرکے مزدوروں کے اجتماعی حقوق [collective rights] کو تسلیم کیا جائے۔ہر مزدور کا حق کہ اس کی آمدنی [basic income] اتنی ہو کہ وہ human rights سے مستفید ہوسکے۔سرمایہ دارانہ ملکیت میں شمولیت حاصل کرسکے۔ سرمایہ دارانہ تعلیم پاسکے۔سرمایہ دارانہ سیاسی اور سماجی شعور حاصل کرسکے۔سرمایہ دارانہ زندگی گزار سکے۔مزدوروں کی یونینیں مزدوروں کو human بنانے کا اہم ذریعہ ثابت ہوئیں اور چونکہ سرمایہ دارانہ نظام میں ہر فرد کسی نہ کسی معنوں میں سرمایہ کا غلام اور مزدور ہوتا ہے لہٰذا یونینوں نے سرمایہ دارانہ نظام اقتدار کو مناسب human being [ایسے افراد جو اجتماعی طور پر ارادہ عمومی یعنی آزادی کی لامتناہی بڑھوتری کو ریاست کے واحد مقصدِ وجود کے طور پر قبول کریں] فراہم کرنے میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔

کمیونسٹ تحریک نے انسان کو شیطان بنادیا؟

دوسری تحریک جس نے عام انسانوں کو human [شیطان] بنایا وہ کمیونسٹ [communist] تحریک تھی، اس تحریک کا بنیادی دعویٰ تھا کہ human صرف مزدور ہی ہیں۔ اور مزدوروں کا طبقاتی شعور ارادہ عمومی [general will] کی تشریح اور اظہار کا واحد ذریعہ ہے۔ لہٰذا سرمایہ دارانہ معاشرہ میں مزدوروں کی ڈکٹیٹر شپ [Dictatorship of the Prolitariat] قائم ہونی چاہیے۔ لیکن یہ ڈکٹیٹر شپ Peoples Republic ہوگی جس میں مزدور طبقہ اپنی نمایندہ حکومت قائم کرلے گا اور مزدوروں کے نمایندے تمام فیصلے ارادہ عمومی کے اظہار کے لیے کریں گے۔ پیپلز ریپبلک [People's Re Public] سرمایہ دارانہ نظام اقتدار کی وہ ترتیب ہے جہاں مزدوروں کے طبقاتی شعور کو [class conciousness] ارادہ عمومی کے اظہار کا واحد ذریعہ سمجھا جاتا ہے اور جہاں مزدوروں کی نمایندہ جماعت یعنی کمیونسٹ پارٹی اس اظہار کا اجارہ دارانہ حق رکھتی ہے۔ اس نظامِ اقتدار اور لبرل سرمایہ دارانہ نظامِ اقتدار میں مماثلت یہ ہے کہ دونوں ارادہ عمومی [آزادی کی لامتناہی بڑھوتری کو ریاست کا واحد مقصد وجود تصور کرتے ہیں۔] لیکن دونوں میں اس اظہار کے جائز [legitimate] نمایندگان مختلف ہیں۔

قوم پرستی کی خطرناک ترین تحریک:

انسانوں کو human بنانے کی ایک اور تحریک جو بہت با اثر ثابت ہوئی ہے وہ قوم پرست [nationalist] تحریک ہے۔ اس تحریک کا دعویٰ ہے کہ ارادہ عمومی آزادی کی غیر محدود بڑھوتری کا صحیح اظہار صرف ایک برتر قومیت ہی کرسکتی ہے۔ human صرف اسی برتر قوم کے افراد ہی ہیں اور صرف اس برتر قوم کے قومی مفاد کو فروغ دے کر ہی آزادی سرمایہ کی لامتناہی بڑھوتری کو ممکن بنایا جاسکتا ہے۔ لہٰذا ایک ایسا نظام اقتدار مروج کرنا چاہیے جس میں قومی مفاد کے لامتناہی فروغ کو ریاست کے مقصد وجود کے طور پر قبول کیا جائے اور یہی آزادی کی لامتناہی بڑھوتری کو ممکن بنانے کا واحد ذریعہ ہے۔ قوم پرست تحریکات ایک عام انسان میں قومی شعور [National conciousness] پیدا کر کے اس کو human بناتی ہیں۔

سرمایہ داریت اور قوم پرستی کا تعلق:

سرمایہ دارانہ ریاست، خواہ لبرل، خواہ سوشل ڈیموکریٹ، خواہ کمیونسٹ، خواہ قوم پرست، خواہ ان سب کا امتزاج] سرمایہ دارانہ معیشت اور معاشرت کے قیام استحکام اور فروغ کے لیے ضروری ہے کیوں کہ سرمایہ دارانہ ریاست ہی انسانوں کو human بنانے اور human رکھنے کی حقیقی ذمہ دار ہے۔ ۱۹ویں صدی میں سرمایہ دارانہ ریاستیں قومی تھیں وہ اپنی ریاستی حدود میں ہی سرمایہ دارانہ ذہنیت کو فروغ دینے اور سرمایہ دارانہ ملکیت کو مستحکم کرنے کی ذمہ داری قبول کرتی تھیں۔ لہٰذا سرمایہ دارانہ مارکیٹوں کا دائرہ کار قومی یا قومی استعماری علاقوں تک محدود ہوتا تھا۔ برطانوی سرمایہ برطانوی ریاست اور برطانوی استعماری نظام کے حدود میں مرتکز تھا اور یہیں اپنے آپ کو محفوظ تصور کرتا تھا۔ غیر ممالک میں بھی برطانوی کارپوریشنیں اپنے تحفظ کے لیے برطانوی ریاست کی طرف ہی دیکھتی تھیں۔

عالمی سرمایہ کے تحفظ کے لیے عالمی ریاست کی ضرورت:

۱۹۷۰ء کی دہائی سے سرمایہ دارانہ مارکیٹ کی قومی تشکیل میں بتدریج دراڑیں پڑ رہی ہیں اور سرمایہ دارانہ مارکیٹ بالخصوص Financial Market قومی نہیں رہی بلکہ بتدریج عالمی ہوتی جا رہی ہے۔ لہٰذا سرمایہ دارانہ بازاروں کو ایک ایسی عالمی ریاست کی ضرورت ہے جو

☆ انسانوں کو مسلسل قتل کرتی رہے۔ انسانوں کو بے بس لاچار اور مجبور بناتی رہے۔ انسانوں کی دولت اور وسایل پر قبضہ کرتی رہے۔

☆ انسانوں کو human [شیطان] بناتی رہی تا کہ ارادہ اجتماعی ارادہ عمومی آزادی سرمایہ کی لامتناہی بڑھوتری کا ذریعہ بن جائے۔

امریکہ:

دنیا کی سب سے زیادہ مقروض ریاست:

۱۹۹۰ء میں سوویت یونین کے انہدام کے بعد امریکہ کو وہ عالمی عسکری بالا دستی حاصل ہوگئی ہے۔ جس کو کوئی سرمایہ دارانہ ریاست چیلنج کرنے کی پوزیشن میں نہیں لہٰذا تمام سرمایہ دارانہ مارکیٹ امریکہ سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ ان کو تحفظ فراہم کرے اور ان کے کاروبار کو فروغ دے دوسری جنگ عظیم کے بعد قائم ہونے والی تمام امریکی حکومتوں نے عالمی سرمایہ کہ تحفظ اور فروغ کی ذمہ داری قبول کی ہے۔ اور اب اس کے لیے ناممکن ہوگیا ہے کہ وہ اس ذمہ داری سے پیچھا چھڑائے کیوں کہ وہ دنیا کی سب سے زیادہ مقروض ریاست بن گئی ہے اور امریکی معاشی استحکام کا دارومدار چینی، جاپانی، کورین اور یورپی سرمایہ کاری پر مسلسل بڑھتا چلا جا رہا ہے۔

امریکی عالمی سرمایہ دارانہ مارکیٹ کے فروغ اور تحفظ کی ذمہ دار ہے لیکن اس کے لیے یہ ایک مشکل کام ہے۔ اس کی کئی وجوہات ہیں سب سے پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اپنی تاریخ اور اپنی ساخت کے اعتبار سے امریکہ ایک قومی ریاست ہے اس کا وجود کروڑوں ریڈ انڈینوں کے قتلِ عام کے نتیجہ میں ممکن ہوسکا۔ یورپ سے آئی ہوئی جن قوموں نے تین صدیوں پر محیط قتل عام، لوٹ مار اور جبر واستبداد کو برپا کیا وہ تاریخ انسانی کی سب سے زیادہ ظالم، سفاک، مکار، خودغرض، ذلیل اور درندہ صفت قومیں تھیں اور بیسویں اور اکیسویں صدی میں امریکی استعمار کی خودغرضی، ظلم پرستی، سفاکیت، دہشت گردی میں مستقل اضافہ ہوتا چلا گیا ہے۔ امریکہ کے حاکم جو اپنی قوم کے سب سے زیادہ ظالم، مکار ہیں اپنی اور انتہائی درجہ کی خودغرض قوم سے اپنی پالیسیوں کی تصدیق حاصل کرتے ہیں۔ عالمی سرمایہ دارانہ بڑھوتری کے تحفظ کے فروغ کے لیے اگر امریکی حکام ایسے فیصلے کریں جو امریکی عوام اپنے مفاد کے خلاف سمجھیں تو ان فیصلوں کی تصدیق کروانا ایک مشکل کام بن جاتا ہے۔

سرمایہ داری چین و ہندوستان میں کیوں؟

اس بات کو ایک مثال سے سمجھانے کی کوشش کروں گا۔ اس وقت سرمایہ دارانہ بڑھوتری کی رفتار کو مہمیز

دینے کے لیے ضروری ہے کہ زیادہ سے زیادہ سرمایہ کاری چین اور ہندوستان میں کی جائے۔ ان ممالک کی آبادی فرداً فرداً امریکہ سے پانچ گنا زیادہ ہے۔ ان ممالک کے سرمایہ دار اور ان کے کارندے امریکیوں سے بازی لے گئے ہیں۔ خود امریکہ میں بزنس، انجینئرنگ اور قانون کے شعبوں میں بہترین طالب علم عموماً چینی، ہندوستانی اور کورین ہوتے ہیں پھر چین اور ہندوستان میں سرمایہ داروں کو ہر سطح پر جو اجرتیں دینی پڑتی ہیں اور دیگر اخراجات [cost of production] ابرداشت کرنا ہوتے ہیں۔ وہ امریکہ یورپ، اور جاپان کے مقابلہ میں بہت کم ہیں۔ چینی اور ہندوستانی معاشرتی ڈھانچہ، امریکی سول سوسائٹی [Civil Society] کے مقابلہ میں کہیں زیادہ مستحکم اور منظّم ہے اور وہاں ابھرتی ہوئی عوامی قوتیں مثلاً B.J.P عالمی سرمایہ کی فطری حلیف ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کے تحفظ اور سرمایہ دارانہ بڑھوتری کی رفتار کو تیز کرنے کے لیے ضروری ہے کہ عالمی سرمایہ امریکہ کے تیزی سے بوڑھے ہوتے ہوئے معاشرہ اور انحطاط کی طرف مائل ریاستی نظام پر اپنا انحصار کم کرے اور چین اور ہندوستان کی معاشرتوں اور ریاستوں سے اپنی وابستگیاں استوار کرے۔ اگر امریکی ریاست فی الواقع عالمی سرمایہ کی پشت پناہ اور فروغ دینے والی ریاست ہے تو عالمی سرمایہ داری اس امر میں حق بجانب ہے کہ وہ امریکی ریاست سے مطالبہ کرے کہ امریکی ریاست عالمی سرمایہ کی چین اور ہندوستان کی طرف منتقلی کو تحفظ اور فروغ دے گو کہ اس کا لازمی نتیجہ امریکی معیشت اور امریکہ کی ریاستی قوت کا زوال ہوگا۔

بہت سے مبصرین کا خیال ہے کہ کلنٹن [clinton] انتظامیہ عالمی سرمایہ کے اس مطالبہ کو بہت حد تک قبول کرتی تھی۔ اس نے کوشش کی کہ عالمی سیاسی اور معاشی نظام کو عالمگیریت اور مقامیت کے خطوط پر فروغ دیے۔ امریکی ریاست اپنی عالمگیری [global] ذمہ داریوں سے بتدریج بری ہو جائے اور یہ ذمہ داریاں ایسے عالمگیر اداروں کی طرف منتقل کر دے جو عالمی سرمایہ دارانہ نظام کو ایسے اصولوں کے مطابق چلائیں جو عالمی سطح پر سرمایہ کی بڑھوتری کو زیادہ سے زیادہ تیز کرنے کے لیے ضروری ہوں۔

معاشی اور انسانی قتل عام کے جدید طریقے:

اس دور میں سیاسی سطح پر جن گلوبل یا پیراگلوبل [Para global] اداروں کو فروغ دیا گیا ان میں نیٹو اور اقوامِ متحدہ کی سیکیورٹی کونسل [security Council] اور اس کے پیس کیپنگ مشن [UN Peace Keeping Mission] ہیں۔ کلنٹن [Clinton] نے کئی لاکھ عراقی بچے، صومالی اور سوڈانی عوام اور روانڈہ اور برنڈی [Rawanda and Burundi] کے باشندے قتل کیے لیکن اس قتل عام کو Nato اور اقوامِ متحدہ کے پیس کیپنگ مشنوں نے منظّم کیا اسی طرح یورپی، امریکی اور جاپانی لوٹ مار اور معاشی استحصال کو منظّم کرنے کے لیے WTO، IMF، NAFTA، Asian Development bank اور Islamic Development bank وغیرہ کو استعمال کیا گیا۔ کاروبار اور دیگر لین دین کے معاملات کو گلوبل بنانے کے لیے [International Accounting Standards] IAS، [International Standard Organisations] ISO اور Rating Agencies وغیرہ کو استعمال کیا گیا۔

Evangilical چرچ کی تاریخ کیا ہے؟

بش نے عالمگیریت کے اس عمل کو رد کرنے کی کوشش کی ہے۔ بش اور New Conservatives کے پیچھے جو عوامی قوت اور تحریک ہے وہ عیسائی بنیاد پرستی Christian Fundementalist کہی جاتی ہے لیکن عملاً یہ ایک خاص عیسائی فرقہ ایونجیلیکل [evangilicals] کا احیاء ہے۔ Evanglicals امریکہ کی بجرنگ دل ہے یہ وہی فرقہ ہے جس کے پادری ان دستوں کی قیادت کرتے تھے جو نہتے ریڈ انڈین بستیوں پر حملہ آور ہوتے تھے۔ جب ریڈ انڈین مردوں کے زندہ جسموں سے ان کی کھال اتاری جاتی تھی جب ریڈ انڈین عورتوں کو اجتماعی زنا کا شکار کیا جاتا تھا۔ جب ریڈ انڈین بچوں کو آگ میں بھونا جاتا تھا یہ Evangilical پادری حضرت عیسیٰ [علیہ السلام] کو بھینٹ دینے کی رسوم منعقد کرتے اور بائبل کی تلاوت کرتے تھے۔ آج ان Evangilicals کے Evangilical جانشین عراق اور افغانستان میں یہی کچھ کر رہے ہیں۔

Evangilical اتنے ہی عیسائی ہیں جتنے بجرنگ دلی ہندو ہیں اور جتنے zionist یہودی ہیں۔ Evangilicals کا عیسائیت سے صرف ایک منفی علامتی [negative symbolic] تعلق ہے۔ ان Evangilicals نے عیسائی تعلیمات کو امریکی دستوریت [constitutionalism] اور امریکی قوم پرستی کے تناظر میں مکمل طور پر اسی طرح مسخ کر کے رکھ دیا جیسے zionists نے یہودیت کو برباد کیا ہے۔

تمام عالمی ادارے واحد عالمی استعمار کے آلہ کار بن جائیں:

صدر بش ان اس کی انتظامیہ انہی Evangilicals کی آلہ کار ہے۔ وہ امریکی قومیت کو ہر قیمت پر قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ بش دیگر استعماری قوتوں [فرانس، جرمنی، برطانیہ، جاپان] سے مشاورت کے قائل نہیں وہ WOT، IMF، Nato، ورلڈ بنک اور Asian Development Bank کا کوئی غیر جانبدار اور آزادانہ کردار برداشت کرنے کو تیار نہیں۔ ان کی کوشش ہے کہ یہ تمام ادارے امریکی خارجہ پالیسی کو نافذ کرنے والے آلہ کار بن جائیں۔ بش اور ان کی انتظامیہ اس بات پر اصرار کرتی ہے کہ عالمی سرمایہ دارانہ مفاد کا تحفظ اور فروغ امریکہ کے نظاماتی [systemic] تسلط کو ابدی طور پر قائم رکھنے ہی کے ہم معانی ہے۔ امریکی قوم پرستی کی اٹھتی ہوئی عوامی لہر اس رائے کی تائید کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے مبصرین کہتے ہیں کہ ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد عالمگیریت ومقامیت [Globalisation and Localisation] کا دور گزر چکا اور اب ہم ایک ایسے دور میں داخل ہو چکے ہیں جو روما [Roman] سلطنت کے زوال کے دور کے مماثل ہے۔

کیا ہونے والا ہے کچھ نہیں کہا جا سکتا:

کیا یہ دور ماضی کے طور پر [روم کی طرح] امریکہ کی تباہی پر ختم ہوگا۔ کیا چین ۲۱ ویں صدی کی وسط میں امریکہ کی جگہ لے کر سرمایہ داری کو تحفظ اور فروغ دینے والی عالمی ریاست بن جائے گی کیا امریکہ کی جگہ استعماری ریاستوں کا ایک ایسا اتحاد لے گا جس میں یورپ، چین، جاپان، ہندوستان، روس اور عظیم اسرائیل شامل ہوں یا عالمی سرمایہ دارانہ نظام خود شکست وریخت کا شکار ہو جائے گا۔ ان سوالات کا حتمی جواب نہیں دیا جا سکتا لیکن

مندرجہ ذیل باتیں ذہن نشین کرنا ضروری ہیں:

انسان کو Human بنانے کے طریقے:

☆ سرمایہ دارانہ انفرادیت اور سرمایہ دارانہ معاشرت اپنے وجود، بقا اور فروغ کے لیے ایک سرمایہ دارانہ ریاست [سرمایہ دارانہ تنظیم قوت اور اقتدار] پر انحصار کرنے پر مجبور ہیں۔

☆ سرمایہ دارانہ ریاست مقامی بھی ہوسکتی ہے [۱۴ صدی کا فلارنس آج کا سنگاپور، ہانگ کانگ] قومی بھی ہوسکتی ہیں اور عالمگیر [global] بھی۔

☆ ہر سرمایہ دارانہ ریاست اپنے دائرہ اختیار خواہ، مقامی، خواہ قومی، خواہ عالمگیری] میں جبر اور ترغیب کے ذریعہ سرمایہ کی لامتناہی بڑھوتری کو انفرادی اور معاشرتی وجہ وجود [raisond'etra]----- کے طور پر جواز فراہم کرنے کی ذمہ دار ہے۔

☆ سرمایہ کی بڑھوتری یعنی آزادی کو وجہ الوجود کے طور پر قبول کرنا humanity [شیطنت] کا بنیادی عقیدہ ہے۔ سرمایہ دارنہ ریاست وہ ریپبلک ہے جو کتاب الٰہی اور سنتِ انبیا کی جگہ ایک ایسے دستور کو نافذ العمل بناتی ہے جس کا کلیدی مقدمہ ہیومن رائٹس [human rights]۔ سرمایہ دارانہ تصور ملکیت [Property]، سرمایہ دارانہ تصور وجود [Life] اور سرمایہ دارنہ تصور ضمیر برداشت [conciousness and toleration] فراہم کرتے ہیں۔ غیر لبرل سرمایہ دار ریاستوں، قوم پرست اور اشتراکی ریاستوں میں یہ human right فرد کو حاصل نہیں ہوتے بلکہ اس نمائندہ اجتماعیت [Collective] کو حاصل ہوتے ہیں جو human rights کے اصل مفاد کے مکلّف تصور کی جاتی ہے۔

☆ اس دستور کے ماتحت سرمایہ کی حاکمیت ریاستی اداروں کے ذریعہ منظّم کی جاتی ہے۔ عدلیہ اور انتظامیہ سرمایہ دارانہ حاکمیت کے بلاواسطہ مظہر ہوتے ہیں۔ مقنّنہ میں سرمایہ کی حاکمیت کو مستحکم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ارادہ اجتماعی ارادہ عمومی کے مماثل ہو اور دونوں ہی سرمایہ کی بڑھوتری کو وجہ وجود [انفرادی اور اجتماعی] کی تصدیق کرتی ہوں۔ اگر یہ مماثلت موجود ہے تو سرمایہ دارانہ دساتیر جمہوریت کے لیے گنجائش پیدا کرتے ہیں اگر ایسا نہیں تو دستور کے اور دیگر ریاستی ضوابط کے ذریعہ جمہوریت کی تحدید ناگزیر ہوجاتی ہے۔

☆ رائے عامہ کو ارادہ عمومی [سرمایہ کی لامتناہی بڑھوتری کی فرضیت] سے مماثل کرنے کے لیے ریاست اور مارکیٹ دونوں سرمایہ دارانہ تعلیمی اور تشریحی نظام کو منظّم اور مستحکم کرتی ہے۔

☆ سرمایہ دارانہ ریاست کا فرض ہے کہ غیر سرمایہ دارانہ انفرادیت اور معاشرت کو بذریعہ جبر و ترغیب ختم کیا جائے۔ استعماریت [imperialism] اس فریضہ کی ادائیگی کی واضح ترین شکل ہے۔

☆ استعماریت اس حقیقت کا عملی اظہار ہے کہ ہیومن رائٹس کی فراہمی اور آزادی، مساوات اور ترقی کے

عمل کو ہیومن [humans] کے لیے جاری رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ غیر ہیومن انسانوں کو مستقلاً قتل کیا جاتا رہے۔ ان کے ممالک کو برباد کیا جاتا رہے۔ ان کے اموال کو چھینا جائے۔ تاریخی طور پر انسانوں کی عظیم اکثریت کو جبر کے ذریعہ ہی human بنایا گیا ہے عموماً دلیلوں سے قائل ہو کر انسان human نہیں بنتے۔

مستقبل کی حکمت عملی

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اسلام کی پندرہویں صدی دین کے احیا اور تجدید کی صدی ثابت ہو رہی ہے۔ صدی کا آغاز جہادِ افغانستان کے انعقاد اور ایران اور سوڈان جیسی اسلامی ریاستوں کے قیام سے ہوا جو آج تک اپنا وجود قائم رکھے ہوئے ہیں۔ چیچنیا میں بھی ایک اسلامی حکومت قائم ہوئی اور طالبانِ عالیشان نے تو امارتِ اسلامیہ کے ذریعے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عمر ابن عبدالعزیز کے مبارک ادوار کی یاد تازہ کر دی۔ ریاستوں کے سقوط کے بعد ہر جگہ ایک ایسا جہاد برپا کر دیا گیا جس نے دشمن کے دانت کھٹے کر دیے اور آج عراق اور افغانستان میں شکست عالمی استعمار کا مقدر بن گئی ہے۔

جہادی تحریکوں کے ساتھ ساتھ انقلابی جماعتیں بھی برسرِ پیکار ہیں۔ تقریباً ہر مسلم ملک میں ایسی اسلامی جماعتیں موجود ہیں۔ جو رائج شدہ نظام کو اصولاً بالکلیہ رد کرتی ہیں اور جو اس پورے نظام کو اکھاڑ پھینک کر اسلامی نظامِ زندگی کو قائم کرنا اپنا مقصدِ وجود گردانتی ہیں ان جماعتوں کی عوامی مقبولیت میں ایسا اضافہ رونما ہوا ہے جس سے استعمار خائف ہو گیا ہے اور بالخصوص عرب دنیا میں واضح ہو گیا کہ جمہوری عمل کے ذریعہ اسلامی جماعتوں کو شکست دینا ایک مشکل بلکہ شاید ناممکن کام ہے۔

شمال مغربی افریقہ اور وسطی ایشیا میں صوفیا کی تحاریک کا احیا ہوا ہے اور برِعظیم پاک و ہند اور کسی حد تک ترکی میں عوامی دعوتی کام نے فروغ پایا ہے۔ تبلیغی جماعت اور دعوۃ اسلامی کے بلا مبالغہ کروڑوں مخاطبین ہیں اور صوفیا اور مبلغین کی کوششوں کے نتیجہ میں اسلام یورپ اور امریکہ میں سب سے زیادہ تیزی سے پھیلنے والا مذہب بن گیا ہے۔ اور ان ممالک میں اور ہندوستان میں ہر سال ایک لاکھ سے زیادہ افراد مشرف بہ اسلام ہوتے ہیں۔

علوم اسلامی کا احیا ہوا ہے اور بیشتر مسلم معاشروں میں علمائے کرام اور صوفیائے عظام کی عزت و وقعت میں اضافہ ہوا ہے۔ مدارس اور خانقاہیں اور زاویے، عرب دنیا اور وسطِ ایشیا میں، ہدایت اور رہنمائی کا سرچشمہ بن گئے ہیں مدارس نے ایران میں عوامی اقتدار کو مرتب کرنے کا کام بخوبی انجام دیا ہے اور سیاسی عمل پر اپنے غلبہ کو خوب مستحکم کر لیا ہے۔

تمام مذاہب تہذیبیں مغرب سے شکست کھا گئیں
صرف اسلام واحد قوت ہے جو مقابلہ پر ہے

حقیقت یہ ہے کہ دشمن آج جتنا اسلام سے خوف زدہ ہے خلافتِ عثمانیہ کے عروج کے دور کے بعد سے اب تک کبھی نہ تھا۔ اس خوف کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مسلم دنیا پر تقریباً دو سو سال حکومت کرنے کے باوجود

مغرب اسلامی علمیت اور اسلامی انفرادیت کو مسخر کرنے میں مکمل طور پر ناکام رہا ہے۔ یہ علمائے کرام اور صوفیائے عظام کا وہ عظیم الشان کارنامہ ہے جس نے آج کی اسلامی پیش رفت کو ممکن بنایا ہے۔ تنویری علمیت [Enlightened epistomology] نے اسلام کے سوا دنیا کے ہر مذہب کی علمیاتی بنیادوں کو اکھاڑ پھینکا۔ عیسائیت نیو افلاطونیت [Neoplatonism] کانٹ کے ریشنل ازم [Rationalism] اور ہیوم کی تجربیت [empericism] شکار ہوگئی۔ بدھ علمیت اور چینی روایات اور رومی قدامت پرستی کسی کو ہیگل اور مارکس کے تصورات [Dilectical Idealism, Historical Materialism] نے مسخر کرلیا قدیم ہندو اور یہودی فکر کو نطشے اور دیگر وجودی مفکرین [Existentialists] کے فلسفہ نے برباد کرڈالا اور وہ قوم پرستی اور سوشل ڈیموکریسی کا شکار ہوگئیں۔ صرف اسلامی فکری رجحانات اور روایات اور رسوم تنویری علمیاتی یلغار کے آگے مضبوط بند باندھے رہی اور حضرت حجۃ الاسلام امام غزالی قدس سرہ نے یونانی فکری اثاثے کو منتشر کرنے کے لیے جو طریقہ methodology وضع فرمایا تھا اتنا مضبوط اور مستحکم ثابت ہوا کہ دورِ حاضر کی ابلیسی علمیت اس طریقہ [Method] میں ایک چھوٹی سی دراڑ بھی پیدا نہ کرسکی۔

اسلامی علمیت کو کس نے محفوظ رکھا؟

اسلامی علمیت، رسوم اور روایات کا دفاع کرنے والا پورے عالمِ اسلام میں صرف وہ عالم اور صوفی تھا جس کو استعمار نے تمام مادی وسائل سے محروم کردیا تھا۔ اس کو سولی پہ لٹکایا گیا۔ بدترین تعذیب کا نشانہ بنایا گیا۔ اس کی املاک اس سے چھینی گئی۔ اس نے اپنے فاقہ سے مرنے والے بچوں کے جسد خاکی دفنائے۔ اس نے معاشرتی حقارت اور ذلت برداشت کی لیکن اسلام کی علمیت، روایات اور رسوم سے سرمو انحراف گوارا نہ کیا۔ استعماری غلبہ کے تاریک ترین دور میں علما اور صوفیا وہ تابندہ ستارہ بن گئے جنھوں نے امت مسلمہ کو تنویری فکر کی تاریکیوں میں گم ہونے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بچالیا۔ اس دور میں علماء اور صوفیا کے کردار کے بارے میں شاعرِ اسلام حضرت حفیظ جالندھری نے یوں بیان فرمایا ہے۔

وہ مردِ حق تھا کتنے صاف و سادہ تھے اصول اس کے
وہ کہتا تھا خدا ایک ہے محمدؐ ہیں رسول اس کے
وہ کہتا تھا تھا محمدؐ سے محبت اصل ایماں ہے
بنائے وحدت ملت ہے پشتیبان ایماں ہے
نظر ڈالی نہ تھی کبھی اسباب و زینت پر
خدا رحمت کرے اس پاک بازو پاک طینت پر
عمل تھا تابع فرمان قرآن شریف اس کا
رہا وقفِ ریاضت عمر بھی جسم نحیف اس کا

وہ قائل تھا فقط اسلام ہی کی بادشاہی کا
دیا کرتا تھا درس اطفال کو علم الٰہی کا
کیا تھا خدمت ملت کا رستہ اختیار اس نے
اسی دامن میں بسایا گلشن گنج ہزار اس نے
مرے حبّ رسول اللہ کی بنیاد ہے مسجد
خدا آباد رکھے آج بھی آباد ہے مسجد

مغرب کے فلسفی اپنی شکست کا اعتراف کرتے ہیں:

ابلیسی علمیت اور سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی کے علم بردار خوب جانتے ہیں کہ علمائے اسلام اور صوفیائے عظام کے اس عظیم الشان تاریخی کارنامہ نے اسلام کو ان کے لیے ایک ایسا خطرہ بنا دیا ہے جس سے مقابلہ کرنا ان کے لیے روز بہ روز مشکل تر ہوتا جا رہا ہے۔ آج تنویری علمیت بڑے اندرونی انتشار سے دوچار ہے۔ اپنے کلیدی مسلمات پر یقین قائم رکھنے کے لیے اس کے پاس دلیل مفقود اور خود اس کے چوٹی کے مفکرین Zizeb, Derida Focault, Delueze Rorty اور یہاں تک کہ Kant کے فکر کے سب سے زیادہ راسخ العقیدہ فلسفی Jorgen Habermas اس بات کا اقرار کر رہے ہیں کہ مغربی فلسفہ ماڈرن ازم مسلمات کو

☆ ثابت کرنے کے لیے تنویری فکر کے پاس مضبوط دلائل موجود نہیں۔
☆ ان مسلمات کو قبول کر کے جو نظام زندگی قائم ہوتا ہے یعنی سرمایہ دارانہ نظام زندگی، اس میں ان اہداف کا حصول ناممکن ہے جو ان مفروضات کو قبول کرنے والا اختیار کرنے پر مجبور ہے۔
☆ لہٰذا سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی ان معنوں میں مہمل اور لغو ہے کہ اس کا تصور قدر مطلق محض قدر کی نفی ہے آزادی معنویت کی لاوجودیت کا دوسرا نام اور آزادی کے حصول کی جدوجہد یعنی ترقی [Progress] ایک فعل عبث ہے۔
☆ لہٰذا سرمایہ دارانہ نظام زندگی سے صرف وہ شخص یا گروہ مطمئن ہوسکتا ہے جو زندگی کا مثبت معنوی تصور نہ رکھتا ہو بلکہ زندگی کو محض کھیل تماشہ لہو ولعب تصور کرتا ہو یا اس کو اپنے کسی منفی جذبہ حرص اور حسد کی تسکین کا ذریعہ تصور کرتا ہو۔

ہم سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی کو ابلیسی اس لیے کہتے ہیں کہ شیطان بھی صرف آدم سے انتقام لینے کے لیے جی رہا ہے اور خوب جانتا ہے کہ آخرت میں اس کا کیا انجام ہوگا۔

تحریک تنویر کے تمام دعوے غلط ثابت ہوئے:

سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی کی تباہی اور اس کا انتشار ان معنوں میں ناگزیر اور یقینی ہے کہ تحریک تنویر Enlightment نے جو کلیدی مسلمات پیش کیے وہ لغو ثابت ہوئے ہیں ان معنی میں کہ ان مفروضات کی بنیاد پر جن مقاصد کو جواز ملتا ہے یعنی آزادی اور ترقی وہ اصولاً اور اور عملاً ناقابلِ حصول ہیں اور جو انسان بھی سرمایہ دارانہ

نظامِ زندگی گزارنے پر[یعنی انسان کے human بننے پر] راضی ہوجاتا ہے وہ محض اپنے منفی جذبات [بالخصوص حرص اور حسد، شہوت اور غضب] کی تسکین کے سوا کچھ نہیں پاتا۔ چونکہ یہ جذبات منفی ہیں لہٰذا ان کی وقتی اورواقعاتی[incidental] تسکین سے کبھی مطمئن نہیں ہوسکتا۔ حرص وحسد، شہوت وغصب کی آگ ہمیشہ اونچی سے اونچی بھڑکتی رہتی ہے۔ جوشخص اپنے آپ کواس آگ کے سپرد کردیتا ہے وہ ہرگھڑی جلتا مرتا رہتا ہے۔ اس کی انتہا وہ اجتماعی خودکشی ہے جو آج یورپ اور امریکہ کررہے ہیں اور جوان کی تقلید میں کل چین اور ہندوستان کریں گے۔

سرمایہ داری کودرپیش خطرات:

اس دائمی[Intrinsic] خطرہ کے علاوہ بھی سرمایہ دارانہ نظام زندگی کو بہت سے خطرات درپیش ہیں۔ سرمایہ داری کی تاریخ بحرانوں کشمکش اور جنگ وجدل کی تاریخ ہے سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی کے پاس قدرِ مطلق[absolute value] کا کوئی مثبت تصور موجود نہیں لہذا اس کے پاس کوئی ایسے اصول موجود نہیں جو ایک مثبت تصورِ عدل کو متعین کرسکیں۔ ہر بحران اور ہر کشمکش اور ہر تصادم میں فیصل کردار فریقین کی تقابلی قوت ہی ہوتی ہے اور جو فیصلہ بھی ہو وہ دیرپا ثابت نہیں ہوسکتا کیوں کہ توازن، قوت میں تبدیلی کے ساتھ سرمایہ دارانہ عدل کے تقاضے بھی بدل جاتے ہیں کل تک سرمایہ دارانہ رہنما عالمگیریت و مقامیت [Globalisation and localisation] کا راگ الاپ رہے تھے اور بین الاقوامی سطح پر ایسے قوانین اور ضوابط نافذ کرنے کی کوششیں ہورہی تھیں جو عالمی سرمایہ دارانہ مشاورت اور مصالحت کے غماز ہوں۔ آج گلوبلائیزیشن ایک داستانِ پارینہ بنتی جارہی ہے اور عالمی ادارے امریکی مفادات کی بالادستی کے تحفظ کو جواز فراہم کررہے ہیں۔ کیا چین اور ہندوستان امریکہ کی نظاماتی بالادستی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قبول کرلیں گے۔ کیا Democratic Party امریکہ میں برسر اقتدار آکر globalisation کی طرف رجوع کرے گی۔ کیا سرمایہ دارانہ ریاست اور مارکیٹ میں جو توازنِ اختیار اور تقسیم کار[division of labour] آج موجود ہے وہ متزلزل نہ ہوجائے گا ان سوالات کے کوئی حتمی جواب اس لیے نہیں دیے جاسکتے کہ سرمایہ دارانہ تصور عدل کوئی ایسا پیمانہ فراہم نہیں کرتا جس کی بنیاد پر طے کیا جاسکے کہ سرمایہ کی بڑھوتری کو تیز کرنے کے لیے

☆ مارکیٹ اور ریاست میں کونسا تقسیم کار موضوعوں ترین ہے۔

☆ کونسی آراء[Speculative Forces] تقابلی قدر کو سرمایہ کی بڑھوتری کے لیے سب سے زیادہ موزوں طریقہ پر متعین کرتی ہیں۔

☆ سرمایہ عمومی [Capital in general] کا جائز اور موزوں ترین نمائندہ کون ہے۔ ریاست؟ حصص کنندگان[Share holder]؟ فنڈ منیجر؟[Speculator]

☆ بین الاقوامی تنظیم اقتدار کی کونسی حیثیت[structure] سرمایہ کی لامتناہی بڑھوتری کے لیے سب سے موزوں ہے۔ یک قطبیت [unipolarity] علاقائیت[Regionalism]۔ عالمگیریت

Globalisation

☆ سرمایہ دارانہ ارادہ عمومی [general will] کی ترتیب اور تفویض میں میڈیا [Media] اور ریاست کا دائرہ کار کیا ہونا چاہیے۔ وغیرہ

چوں کہ ان سوالات کے جوابات کسی متعین تصور سرمایہ دارانہ عدل کی بنیاد پر نہیں دیے جاسکتے لہٰذا عملاً ان کے جوابات تصادم قوت کے ذریعہ ہی دیے جاتے ہیں اور تصادم قوت سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی کو بحران [crises] سے دوچار کرسکتا ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کی قبولیت کہاں کہاں ہے؟

لیکن کیا وہ اجتماعی خودکشی جو ہر سرمایہ دارانہ معاشرہ اور ریاست کررہی ہے اور بحرانوں کا وہ سلسلہ جس سے سرمایہ داری وقتاً فوقتاً دوچار ہوتی رہتی ہے سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی کو لازماً تباہ کردے گی؟ میری رائے میں مسلمانوں کی موجودہ نسل کی زندگیوں کے دوران اس کا امکان موجود نہیں۔ سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی کی اساس روحانی پراگندگی اور اخلاقی رذائل فراہم کرتے ہیں۔ سرمایہ داری بحیثیت ایک نظامِ زندگی یورپ میں غالب اس وقت آیا جب ان ممالک کی آبادی کی ایک بہت بڑی تعداد عیسائی روحانی تعلیمات سے لاتعلق ہوچکی تھی اور رذایل اخلاق کو عمومی مقبولیت حاصل ہوچکی تھی۔ ہر وہ شخص جو human ہے جو نہ صرف حرص اور حسد، شہوت و غضب کو اپنائے ہوئے ہے بلکہ ان اخلاقی رذائل کو اپنا حق اور فرض گردانتا ہے جو نہ صرف وحی سے اخذ شدہ روحانی حقائق کو رد کرتا ہے بلکہ اس تردید کی بنیاد پر ہی اپنی جاہلی علمیت تعمیر کرتا ہے۔ ہر ایسا شخص فطرتاً سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی کو اپنی ذات کے لیے اپنے معاشرہ کے لیے اور اپنے ریاستی نظام کے لیے منتخب کرتا ہے۔ یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ یورپ، امریکہ اور جاپان میں عوام کی بہت بڑی اکثریت human ہے وہ روحانی پراگندگی کا شکار ہے اور اخلاق رذیلہ کو اخلاق حسنہ تصور کرتی ہے۔ ہندوستان میں غلبہ انہی کو حاصل ہے جو سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی کو پسند کرتے ہیں لیکن اکثریت ان لوگوں کی ہے جو سرمایہ دارانہ معاشرت اور نظام اقتدار کو محض برداشت کرتے ہیں۔ اس کو پسند نہیں کرتے بلکہ اس کے کچھ مظاہر سے اعلان برأت بھی کرتے ہیں۔ پاکستان میں بھی حالات اس سے زیادہ مختلف نہیں۔ دونوں ممالک میں علما کی جدوجہد کے نتیجہ میں اس بات کا کچھ نہ کچھ یقین پیدا ہوا ہے کہ اسلام ایک متبادل نظام حیات ہے اور اس کے غلبہ اور تحفظ کے لیے رائج شدہ نظام زندگی سے، تصادم کے امکانات کو رد نہیں کیا جاسکتا۔

اس گفتگو سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں:

☆ سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی اپنے اندرونی تضادات [inherent contradiction] کی وجہ سے نیست اور نابود نہ ہوگا۔

☆ اس نظام کی تسخیر کے لیے ان لوگوں کا معاشرتی اور ریاستی اقتدار میں آنا ضروری ہے جو روحانی پراگندگی سے محفوظ ہوں اخلاق رذیلہ اور سرمایہ دارانہ عقلیت اور علمیت کو رد کرتے ہوں۔

ساحل اگست ۲۰۰۶ء

☆ جن معاشروں اور ریاستوں میں سرمایہ داری کے مخالفین کو غلبہ حاصل ہو وہاں کے باشندے اس اقتدار کو قبول کرنے یا کم از کم برداشت کرنے پر راضی ہوں۔

میری رائے میں ہمیں اپنے اہداف اور طریقہ کار اس تناظر میں متعین کرنا چاہیے۔

ہمارا ہدف سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی کا مکمل انہدام اور اسلامی نظامِ زندگی کا تحفظ اور عالمی غلبہ ہے۔ یہ ایک طویل المدت جدوجہد ہے۔ نظام ہائے زندگی کا انہدام کئی صدیوں پر محیط عملی جدوجہد سے ممکن ہے۔ رومن تہذیب کا انہدام تقریباً ڈھائی صدیوں پر محیط ہے اگر سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی کے انحطاط کی شروعات ۲۰ ویں صدی کے آغاز سے تصور کی جائیں [جیسا کہ oswald spangla کا خیال ہے، تو غالب امکان یہی ہے کہ ابھی یہ عمل خاصی دیر جاری رہے گا اور عین ممکن ہے کہ مغرب کا زوال سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی کا انہدام ثابت نہ ہو بلکہ سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی کے خلاف فیصل معرکے چین یا ہندوستان میں لڑے جائیں۔

سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی کے انہدام اور تحفظ اور غلبہ اسلام کی جدوجہد لازماً تین سطحوں پر مرتب کرنے کی ضرورت ہے انفرادیت کی سطح پر معاشرت کی سطح پر اور ریاست پر۔ ہر سطح پر سرمایہ دارانہ علمیت [epistimology] اور عملیت [praxis] کو منہدم کرنے کی ضرورت ہے اس کام کو احسن طریقہ سے انجام دینے کے لیے ہمیں دو باتوں کا خاص خیال رکھنا ہوگا۔ ایک طرح سے دیکھا جائے تو یہ وہ دو دنیاوی کمزوریاں ہیں جنھوں نے مستقبل قریب میں تحفظ اور غلبۂ دین کی جدوجہد کو قدرِ بے اثر اور اس کے دائرۂ کار کو محدود کر دیا ہے۔

پہلی اور اہم ترین کمزوری: سرمایہ داری سے عدم واقفیت

پہلی کمزوری یہ ہے کہ مجاہدین انقلابی مدافعین، مبلغین علما اور صوفیا سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی کا وقیع اور جامع ادراک نہیں رکھتے۔ اسلامی مفکرین اور قائدین کی رائے یہ ہے کہ ہماری جدوجہد عیسائیت، یہودیت، امریکہ یا مغرب کے خلاف ہے۔ اور وہ مکمل نظامِ حیات جس میں یہودیت، عیسائیت، امریکہ اور مغرب پیوست ہیں۔ ہمارے فکر و عمل کا ہدف نہیں یہ درست ہے کہ یہودیت اور عیسائیت ہی کی خاکستر سے سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی برآمد ہوا۔ اور عیسائیت اور یہودیت ہی سرمایہ دارانہ تصورات کے ماخذ ہیں اگر عیسائیت حضرت عیسی علیہ السلام کو خدا کا بیٹا نہ بناتی تو الوہیت انسانی یا شیطینت [human being] کا تصور پیدا نہ ہو سکتا تھا۔ اور عیسائیت اور یہودیت ہی سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی کی تاریخی اور معاشرتی میراث فراہم کرتی ہیں لیکن سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی عیسائی اور یہودی تعلیمات سے انحراف بھی ہے اور یہ نظامِ زندگی یہودیت اور عیسائیت سے کچھ منتخب تعلیمات اور اعمال کو لے کر بہت سی دوسری روایات اور تعلیمات سے منسلک کرتا ہے اور ایک نیا علمیاتی اور عملیاتی منہج تعمیر کرتا ہے جس کی عیسائیت اور یہودیت محض ایک شق ہو کر رہ جاتی ہیں۔

معتزلہ: مغرب: سرمایہ داری

یہ بھی درست ہے کہ مغرب ہی سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی کا مرکز ہے اور امریکہ ہی اس کی سب سے

پشت پناہ ریاست ہے لیکن مغرب اور سرمایہ داری کا یہ تعلق وقتی اور حادثاتی ہے لازمی اور منطقی نہیں۔ اگر معتزلہ کی فکر نویں اور دسویں صدی عیسویں میں مسلم دنیا میں غالب آ جاتی تو اس کا بہت امکان تھا کہ سرمایہ دارانہ نظام عرب دنیا میں پروان چڑھتا۔ معتزلہ کے پیرو اسلامی معیشت دان آج اسی چیز کا ماتم کرتے ہیں کہ سرمایہ دارانہ نظام نے کیوں مسلم دنیا میں جڑ نہ پکڑی اور متکلمین فقہا اور صوفیا کی فکر نے امام غزالی کی قیادت میں کیوں معتزلہ کو شکست دی۔

سرمایہ داری کا مرکز مغرب سے مشرق منتقل ہوسکتا ہے:

اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ امریکہ اور یورپی ممالک کا زوال ہو لیکن سرمایہ دارانہ نظام کا مرکز چین یا مشرقی ایشیا کے دیگر ممالک منتقل ہوجائے۔ ان حالات میں یہ ممالک اسلام کے تمدنی اور سیاسی حریف اور دشمن کے طور پر ابھریں گے اور مغرب کی مرتی ہوئی قوموں کی قوت ختم ہوجائے گی لہٰذا ہمیں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ ہمارا جہاد کسی قوم کے خلاف نہیں بلکہ ایک نظامِ زندگی کے خلاف ہے وہ نظامِ زندگی سرمایہ داری ہے۔ اس کا ایک مذہب ہے [جس کو آج سائنس اور فلسفہ کہا جاتا ہے]۔ اس کی معیشت مارکیٹ یا پلان ہے اس کی سیاست ریپبلک اور دستور ہے اس کی معاشرت سول سوسائٹی ہے اور یہ تمام مظاہر ہیں اس انفرادیت کے جس کو ہیومن بینگ [human being] کہتے ہیں۔ ہم سائنس اور فلسفہ، مارکیٹ اور پلان، ریپبلک اور دستور، سول سوسائٹی اور ہیومن بینگ [human being] کو منہدم کرنے کے لیے جہاد کررہے ہیں تاکہ علوم دین، بازار اور تجارت، خلافتِ الٰہیہ، مدنیت اور انسانیت کا غلبہ۔ وہ انسانیت جس کی ہستی خدا کے حضور اور عبادت کے ذریعہ معنویت اور معرفت حاصل کرتی ہو۔ اسی چیز کو [being with God] کہا جاتا ہے اور یہ human being کی واضح اور حتمی تردید ہے۔

اس جہاد کو جاری رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ پوری امت مسلمہ کی حمایت اور قوت اس کے لیے مہیا [mobilize] کی جائے۔ اس سے پہلے کہ اس حکمت عملی کے خطوط پر گفتگو کروں جس کو اپنا کر ہم اس ہدف کو حاصل کرسکتے ہیں ضروری ہے کہ مسلم معاشرہ کی موجودہ حالت کے بارے میں میرے جو تاثرات ہیں وہ عرض کروں۔

مسلمانوں کی مجموعی آبادی تقریباً ڈیڑھ ارب ہے [۲۰۰۵ء کے اعداد و شمار کے مطابق] اور ۲ء۲ فی صد سالانہ کے اعتبار سے بڑھ رہی ہے۔ یہ دنیا میں سب سے تیزی سے بڑھنے والی آبادی اور اس میں ۳۰ سال سے کم عمر افراد کی تعداد تقریباً دو تہائی ہے جو کہ لاطینی امریکہ کے southern cone کے برابر اور دنیا کے دیگر تمام ملکوں میں جوانوں کی مجموعی آبادی کے تناسب سے زیادہ ہے۔ مسلم اکثریتی علاقوں میں ایک ارب سے زیادہ مسلمان رہتے ہیں جبکہ مسلمانوں کی سب سے بڑی اجتماعیت ہندوستان میں ہے جہاں ہماری تعداد کم از کم ۲۵ کروڑ ہے۔ چین، روس اور یورپ میں تقریباً ۱۰ کروڑ مسلمان آباد ہیں جن میں سے نصف سے زیادہ آبادی چین میں ہے۔ دو اسلامی ریاستیں قائم ہیں ایران اور سوڈان امارت اسلامیہ افغانستان اور چیچنیا کا ماضی قریب میں سقوط

عمل میں آیا ہے۔ فلسطین کے چند محدود اضلاع میں یہودی تسلط کے زیر سایہ ایک اسلامی جماعت کو حکومت قائم کرنے کا موقع ملا ہے۔

سرمایہ داری سے عالم اسلام میں عدم واقفیت:

سرمایہ دارانہ انفرادیت، معاشرت اور ریاستی نظام کی گرفت مسلم دنیا پر مستحکم اور مضبوط ہے اور اس نظامِ زندگی کے خلاف منظّم اور مربوط جدوجہد نہ ہونے کے برابر ہے۔ عوام الناس کی بہت بڑی اکثریت سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی کو بحیثیت مجموعی قبول کرنے یا برداشت کرنے پر آمادہ ہے اور سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی کے خلاف عوامی جدوجہد کے امکانات مفقود ہیں۔ جاہلانہ علمیت بلخصوص سائنس اور سوشل سائنسز کی گرفت مسلم ذہن پر مضبوط ہوتی جارہی ہے اور معاشرہ میں بہت سی ایسی چیزوں کو برداشت کیا جارہا ہے جو پہلے معیوب سمجھی جاتی تھی اس میں سب سے خطرناک رجحان عورتوں کی پبلک لائف میں شرکت ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں صوفیا کی تحاریک اس قدر کم زور پڑگئی ہیں کہ عوامی روحانیت کو فروغ دینا ان کے لیے ممکن نہیں رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غیر مسلم سیکولر حکومتوں اور استعماری ذرائع سے چلنے والی فحاشی پھیلانے والی اور حقوق کی سیاست کو عام کرنے والی NGOs کا معاشرتی اثر بڑھ گیا ہے۔ کئی مسلم اکثریتی ممالک میں غیر مسلم اقلیتوں کو، بالخصوص آغاخانیوں، عیسائیوں، قبطیوں اور ہندوؤں کو [انڈونیشیا میں] معاشروں کو سیکولرائز کرنے کی ذمہ داری استعمار اور اس کے مقامی ایجنٹوں نے سونپ دی ہے۔

مسلم دنیا عالمی سرمایہ داری میں ضم نہیں ہوسکی:

اس سب کے باوجود مسلم دنیا کو عالمی سرمایہ دارانہ نظام میں ضم کرنا ایک مشکل کام بن گیا ہے۔ اس کی دو بنیادی وجوہات ہیں ایک یہ کہ آج کے دور میں سرمایہ دارانہ جاہلی علمیت شکست و ریخت کا شکار ہے۔ اس کے کلیدی مفروضات اور اس کی عقلیت [Rationality] لغو بے معنی مہمل اور تضاد کا مجموعہ ثابت ہوئی۔ اس نے جو معاشرتی دعوے کیے تھے وہ نہ صرف یہ کہ حاصل نہ ہوئے بلکہ یہ ثابت ہوگیا کہ ان کا حاصل کرنا ممکن ہی نہیں۔ جن اقوام نے اس جاہلانہ علمیت کو قبول کیا وہ آج اجتماعی خودکشی کررہی ہیں۔ جن ممالک میں یہ جاہلانہ علمیت فروغ پارہی ہے۔ بالخصوص چین اور ہندوستان وہاں کی فکری اشرافیہ خوب جانتی ہے کہ ان ممالک کا انجام کیا ہوگا یہاں بھی آزادی اور ترقی کے حصول کے لیے اجتماعی خودکشی کا عمل شروع ہوگیا ہے۔ آبادی میں اضافے کی رفتار تیزی سے گررہی ہے۔ عورتیں بچہ پیدا کرنے اور پرورش کے بوجھ اٹھانے کو تیار نہیں۔ نسوانیت اور مردانگی تباہ ہورہی ہیں اور انسانیت human being کے قالب میں ڈھل کر سسک کر دم توڑ رہی ہے۔

چین اور ہندوستان کا المیہ:

چین اور ہندوستان کا المیہ وہی ہے جو قرونِ وسطیٰ کے یورپ کا المیہ تھا۔ ان ممالک میں سرمایہ دارانہ جاہلی علمیت کا موثر مقابلہ کرنے والی کوئی علمی روایت موجود نہیں۔ یورپ، چین اور ہندوستان کی مذہبی علمیت نے

انبیاء کی تعلیمات کو مسخ کر دیا تھا اور نتیجتاً جب ان تہذیبوں کا سابقہ خالص علمی جاہلیت [فلسفہ اور سائنس] سے پڑا تو اس جاہلیت خالصہ کے فروغ کے لیے تمدنی میدان پہلے ہی سے زرخیز تھا۔ لہٰذا ان ممالک میں جاہلیت خالصہ کی مخالفت جزوی ہوگئی ان ممالک نے جاہلیت خالصہ اور سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی کی ایک تعبیر اور تشریح کو رد کیا لیکن اسی نظامِ زندگی کی دوسری تشریح کو اپنالیا۔ مثلاً چینی کمیونسٹ نے ماؤ [Mao] کی فکر کا سہارا لے کر لبرل ازم کو رد کیا لیکن اشتراکیت [Socialism] کی بنیاد پر مقبولیت عام حاصل کی۔ بھارتیہ جنتا پارٹی نے یہی مقام قوم پرستی کو دیا چینی کمیونزم اور ہندوتوا قوم پرستی جو قدیم چینی اور ہندو علمی اور تمدنی روایات شامل کی گئی وہ جاہلانہ علمیت میں ضم ہوکر رہ گئیں۔ تاریخی عمل نے ثابت کر دیا ہے کہ چینی کمیونزم اور ہندوتوا قوم پرستی کے غلبہ کے نتیجہ میں لاؤتسی [Laotse] اور کنفیوشس [Confucious] اور بھگوت گیتا اور ویدوں کی تعلیمات کا احیاء نہ ہوا بلکہ ہندوستان اور چین کو سرمایہ دارانہ انفرادیت، معاشرت اور ریاستی نظام نے مسخر کرلیا۔

مسلم معاشرے سرمایہ داری میں تحلیل کیوں نہ ہوئے؟

مسلم انفرادیت، معاشرت اور نظام اقتدار کو سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی میں ضم کرنے کی کوشش کی متوقع ناکامی کی دوسری بنیادی وجہ ہے کہ اسلامی علمی اور روحانی روایات آج بھی اسی طرح محفوظ ہیں جیسے استعمار کے غلبہ سے قبل تھیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ جیسا عالم کسی دوسری امت کو نصیب نہ ہوا اور اس بات کا اظہار خود سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رویائے صادق میں فرمایا ہے۔ حضرت حجۃ الاسلام نے اسلامی روحانیت وعلمیت کو ایک ایسے مربوط نظام فکر میں سمو دیا جو ناقابل تسخیر ہے اور جس کو بنیاد بنا کر سرمایہ دارانہ جاہلی علمیت کو مسخر کیا جاسکتا ہے۔ استعمار اور جاہلی علمیت کے اقتداری عروج کے دور میں علمائے کرام اور صوفیائے عظام نے اس عظیم علمی اور روحانی ورثے کو کوڑے کھا کھا کر اور فاقہ پر فاقہ کر کر کے جاہلانہ عقلیت کے مغربی علم برداروں اور ان کے مقامی کاسہ لیسوں کو ایسی عبرت ناک شکست فاش دی جسکی تاریخ میں کوئی دوسری نظیر نہیں ملتی۔

انیسویں صدی کے علمائے کرام اور صوفیا عظام کا یہ عدیم المثال کارنامہ وہ بنیاد فراہم کرتا ہے جس پر ہم سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی کو منہدم کرنے کی حکمت عملی مرتب کر سکتے ہیں۔ اسلامی انفرادیت، معاشرت اور نظامِ اقتدار وہ ہتھیار ہیں جن سے عالمی سطح اور دنیا کے ہر گوشہ میں سرمایہ دارانہ جاہلی عقلیت اور سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی کو بے دخل کیا جاسکتا ہے۔ ان ہتھیاروں کو استعمال کرنے والے نہ کسی بقائے باہمی قائل ہیں نہ کسی تہذیبوں کے تصادم کے وہ اسلام کے سوا کسی تہذیب کے وجود کے قائل نہیں۔ اسلام کے سوا دنیا میں جو نظام زندگی بھی موجود ہے وہ جاہلیت خالصہ پر مبنی ہے اور عقل اور انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر جاہلانہ نظام زندگی کو جتنی جلد ممکن ہو تباہ کر دیا جائے۔ اسلام کا حق ہے کہ وہ دنیا کے ہر گوشہ میں غالب آئے۔ مسلم دنیا میں' یورپ اور امریکہ میں' چین اور ہندوستان میں لاطینی امریکہ اور افریقہ اسود میں اور مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس غلبہ کے لیے قیامت تک مسلسل جدوجہد کرتے رہیں۔

جدوجہد برپا کرنے والے گروہ:

اب میں اس جدوجہد کو جاری رکھنے کی حکمت عملی کے چند پہلوؤں کے بارے میں کچھ گزارشات پیش کروں گا۔

تحفظِ دین اور غلبہ دین کی جدوجہد برپا اور منظم کرنے والے چار ممتاز گروہ ہیں۔

☆ مدرسین اور مزکی

☆ مبلغین اور مصلحین

☆ انقلابی

☆ مجاہدین

مدرسین اور مُزکیوں کا بنیادی ہدف اسلامی انفرادیت کا فروغ ہے۔ان کا سب سے اہم ادارہ مدرسہ ہے۔جس نے بیشتر مسلم ممالک میں خانقاہ کانعم البدل پیش کیا ہے۔مدارس کے فروغ کے نتیجہ میں مساجد کا سماجی دائرہ کار وسیع ہوا ہے۔سرمایہ دارانہ نظام زندگی کے زعما مدارس اور مسجد کے پھیلنے اور ان کے دائرہ کار میں آنے والی وسعت سے خائف ہیں اور ان کی کوشش ہے کہ مدارس کو جاہلی علمیاتی نظام کے ماتحت کر دیا جائے اور مسجد کو حکومت اور غیر اسلامی سماجی اور معاشی تنظیموں کے ماتحت کیا جائے۔روحانی تربیت کے اداروں کو بدعات کو عام کرنے کے ذرائع کے طور پر استعمال کرنے کی منظم کوشش کی جارہی ہے۔

مبلغین اور مصلحین ان گروہوں پر مشتمل ہیں جو دینی تہذیبی روایات کے تحفظ اور فروغ اور حلال کاروبار کے پھیلاؤ میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔پاکستان میں ان میں سب سے اہم تبلیغی جماعت اور دعوت اسلامی ہیں اور بلاشبہ ان دونوں جماعتوں کا عوامی اثر اور رابطہ دیگر تمام اسلامی صف بندیوں کے مقابلہ میں زیادہ مستحکم اور توانا ہے۔بہت سے بازاروں میں اسلامی تجارتی صف بندی بھی کسی نہ کسی شکل میں پائی جاتی ہے اور برادریوں کا نظام حلال رزق اور اسلامی تجارتی نظام کے فروغ کے لیے ایک اہم کردار ادا کررہا ہے۔بھٹو کے دور تک فکر اسلامی مزدور یونین مزدوروں کی اسلامی صف بندی کے ضمن میں یہی رول ادا کرتی تھیں لیکن یہ یونینیں ختم ہوگئی ہیں۔

مصلحین اور مبلغین میں اسلامی سیاسی جماعتیں بھی شامل ہیں۔یہ تحفظ دین کی جدوجہد کو تقویت پہنچاتی ہیں اور شہری صوبائی اور مرکزی حکومتی اداروں میں شمولیت کے ذریعہ اسلامی اقدار اور روایات کا دفاع کرتی ہیں۔

سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی کے زعما مصلحین کے ان گروہوں کو منتشر کرنے کے لیے مختلف حکمت عملیاں اختیار کرتے ہیں۔عوامی مبلغین میں سیاسی عمل سے منافرت پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور ان میں سیکولر رجحانات کو فروغ دیا جاتا ہے۔اسلامی کاروباری صف بندی کو Financial مارکیٹ میں ضم کرنے کی سعی جاری ہے اور اس عمل کو اسلامی بینکاری کے ذریعے فروغ دیا جارہا ہے اسلامی سیاسی جماعتوں کو لبرل جمہوری روایات

اصول اور ترجیحات کو قبول کرنے پر آمادہ کیا جا رہا ہے۔

انقلابی گروہ وہ ہیں جو رائج شدہ نظام زندگی میں مکمل تبدیلی کے خواہاں ہیں یہ لوگ مولانا مودودی اور سید قطب علیہ رحمہ کی فکر کے وارثین ہیں اور ان کی بنیادی سعی غلبہ دین کے لیے ہے۔ انھوں نے دو اسلامی ریاستیں ایران اور سوڈان، میں قائم کی ہیں یہ دونوں قومی اسلامی ریاستیں ہیں اور دونوں ریاستوں میں سرمایہ داری سے برأت کی رفتار مدہم ہے۔ سرمایہ دارانہ استعمار ان دونوں ریاستوں کے وجود کے درپے ہے۔ سوڈان پر سول وار [Civil War] مسلط کر کے اس کو دولخت کرنے کی سعی جاری ہے اور ایران کو نیوکلیئر حملہ کی دھمکی دی جا رہی ہے۔ اس کے باوجود دونوں ریاستیں اپنے اصولی موقف سے دست بردار ہونے پر آمادہ نہیں اور علماء جو کہ ان ریاستوں میں حکومت کر رہے ہیں بھرپور عوامی اعانت حاصل کیے ہوئے ہیں۔ ان دونوں ریاستوں میں جمہوری عمل کو محدود کر کے اس کو کسی حد تک غلبہ دین کا ذریعہ بنا دیا گیا ہے۔ یہ دونوں ریاستیں استعمار سے تصادم سے حتی الوسع گریز کرتی ہیں یہاں تک کہ سوڈان نے حماس کی حمایت فکر تک سے پہلوتہی اختیار کی ہے۔

اخوان اور اخوان سے نکلی ہوئی انقلابی اسلامی جماعتوں کی عوامی مقبولیت عرب دنیا میں بڑھ رہی ہے اور موجودہ استبدادی حکومتوں خواہ وہ بادشاہتیں ہوں خواہ آمریت کے متبادل قیادت کے طور پر اسلامی انقلابی جماعتیں ہی ابھر رہی ہیں۔

اسلامی انقلابی جماعتوں کو قوم پرست بنانے کی کوشش:

سرمایہ دارانہ استعمار کی کوشش ہے کہ اسلامی انقلابی جماعتوں کو جمہوری نظام میں ضم کر کے ان کو بنیادی طور پر مسلم قوم پرست بنا دے۔ قومی ترقی اور آزادی ان جماعتوں کے اصل سیاسی اہداف بن جائیں اور یہ عالمی سرمایہ دارانہ نظام میں اس طرح ضم ہوں جیسے چین اور ہندوستان ضم ہو چکے ہیں لیکن اپنے مفادات کو پیش نظر رکھتے ہوئے امریکہ اور یورپ کم از کم فی الوقت مسلم قوم پرست حکومتوں کو وہ مراعات دینے پر آسانی سے تیار نہ ہوگا جو وہ چین اور ہندوستان کو دینے پر آمادہ ہے ظاہر ہے مسلم قوم پرستی کو اپنانے کے بعد ان ریاستوں میں علماء کی قیادت زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکے گی اور اسلامی انقلاب فیصلہ کن شکست کھا جائے گا لہٰذا ان کو مسلم قوم پرست ایجنڈہ کو کلیتاً اپنانے پر راضی کرنا آسان نہیں۔

چیچنیا بھی جہاد کے ذریعہ قائم ہونے والی ریاست ہے لیکن اس کے بارے میں کچھ علم نہیں رکھتا۔ لہٰذا کچھ عرض کرنے سے قاصر ہوں۔ اس کے برعکس افغان مجاہدین نے جو ریاست قائم کی وہ ایک قومی ریاست نہیں ایک آفاقی جہادی ریاست تھی اس ریاست نے اپنا وجود جہاد کو عالمی سطح پر جاری رکھنے کے لیے قربان کر دیا۔ سقوط افغانستان تاریخ اسلام کا ایک سنگ میل ثابت ہوا ہے بالخصوص ان معنوں میں کہ اس نے جہاد کو ایک عالمگیر تحریک کے طور پر برپا کر دیا۔ خلافت عثمانیہ کے دور کے بعد سے جہادِ افغانستان تک کے دور میں جہاد نے قومی جنگوں War of National Liberation کی شکل اختیار کر لی تھی۔ یہ Wars of national Libration لازماً دفاعی نوعیت کی ہوتی تھیں اور ان کا مقصد کسی مسلم علاقہ کو استعمار سے آزاد کرانا ہوتا تھا ان کی

قیادت خواہ اسلامی عناصر کے ہاتھ میں ہو خواہ قوم پرست ہاتھوں میں بنیادی طور پر ایک قومی ریاست کے قیام کے لیے جنگ کرتی تھی اور جہاد کا اختتام ایک مسلم قومی ریاست کے طور پر ہوتا تھا۔ چوں کہ جہاد کا مقصد کسی مسلم قوم کی آزادی ہوتا تھا لہٰذا فطرتاً اس ریاست میں ایک قوم پرست قیادت ہی برسر اقتدار آتی اور اس کی پہلی ترجیح قومی جدوجہد کے اسلامی تشخص کو ختم کر کے اسلامی عناصر کو ریاستی نظام اقتدار سے بے دخل کرنا ہوتا تھا۔ اس عمل کی سب سے واضح مثالیں الجیریا اور انڈونیشیا کی تحریک آزادی پیش کرتی ہیں۔

جہادِ افغانستان [اور غالباً جہادِ چیچنیا اور داغستان] war of national librations نہ تھی۔ طالبان نے جو ریاست فتح کی وہ فوراً عالمگیر اسلامی جہاد کا بیس کیمپ بن گئی اس میں کسی قوم پرست قیادت کا ابھر کر سامنے آنا ممکن ہی نہ تھا لہٰذا قوم پرست قیادت [شمالی اتحاد] امریکی استعمار کی باج گزار بننے پر مجبور ہوگئی اور سقوط امارۃِ اسلامیہ کے بعد امریکہ کی باج گزار ریاست اس کی کٹھ پتلی قوم پرست نے قائم کی قومی اسلامی ریاستوں، ایران اور سوڈان میں قوم پرست قیادت ریاستی تنظیم اقتدار سے کبھی بھی پوری طرح بے دخل نہیں ہوئی کیوں کہ قومی اسلامی ریاستیں عالمی سرمایہ دارانہ نظام سے پیوست رہتی ہیں۔ ان قومی اسلامی ریاستوں کے ساتھ عالمی سرمایہ پُر امن بقائے باہمی [peaceful coexistence] کی بنیاد پر معاملہ کرسکتا ہے چناں چہ سوڈان کو کسی حد تک برداشت کرنا امریکہ کی افریقیائی سٹرٹیجک [stratigic] حکمت عملی کا حصہ ہے اور ایران نے امریکی کمپنیوں کو توانائی کے شعبہ تک میں سرمایہ کاری کی اجازت دینے سے گریز نہیں کیا۔ اپنی معاشی اور ریاستی تنظیم میں بھی ان دونوں قومی اسلامی ریاستوں نے سرمایہ دارانہ صف بندی کو رد نہیں کیا۔ اس میں جزوی ترمیم پر اکتفا کیا اور عالمی سرمایہ دارانہ نظام سے ان کے تعلق کا سب سے واضح اظہار اس بات سے ہوتا ہے کہ ایران اور سوڈان سرمایہ داری سے کامل قطع تعلق نہ کر سکے۔ لہٰذا دونوں اپنے آپ کو ری پبلک [republic] کہتی ہیں۔

قومی اسلامی ریاستیں سرمایہ دارانہ نظام کے لیے وقتی، علاقائی اور حادثاتی چیلنج اور خطرہ پیش کرتی ہیں لیکن بنیادی [foundational] اور نظاماتی [systemic] خطرہ پیش نہیں کرتیں۔ ان کو تباہ کرنا سرمایہ داری کے لیے ضروری [necessary] نہیں کیوں کہ عالمی سرمایہ دارانہ نظام سے ان کی وابستگیاں مستحکم کرنے کا امکان ہمیشہ موجود رہتا ہے۔

لیکن عالمگیر جہادی اسلامی ریاستوں سے اس نوعیت کی پر امن بقائے باہمی پر عمل کرنا ممکن نہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام ان کے وجود کو برداشت نہیں کرسکتا سرمایہ دارانہ نظام عالمی جہادی اسلامی ریاستوں کو تباہ کرنے پر مجبور ہے کیوں کہ اس کی جاہلانہ عقلیت کوئی ایسی دلیل فراہم کرنے سے قاصر ہے جو ان مفروضات کی اصلاح کر سکے جن پر یہ اسلامی آفاقی جہادی ترتیبِ اقتدار قائم ہوتا ہے۔ یہ بات آج کا سب سے نمایاں ماڈرنسٹ فلسفی Jorger Habermes خوب جانتا ہے اور ۲۰۰۱ء کے بعد سے تواتر کے ساتھ اس کا اظہار کر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حزب اللہ کی جدوجہد اور ایران کے مؤقف کی حمایت میں امریکہ اور مغربی ممالک سے بھرپور آوازیں اٹھتی ہیں لیکن چیچنیا اور افغان مجاہدین کے حق میں پورے مغرب سے ایک آواز بھی بلند نہیں ہوتی، یہ وہ

واضح فرق ہے جو قومی اسلامی ریاستوں اور خالص جہادی آفاقی ریاستوں میں موجود ہے۔

جہاد افغانستان کے تسلسل نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ عالمی سطح پر سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف جہاد جاری رکھنے کے لیے آفاقی جہادی ریاست کا وجود ضروری نہیں سقوط امارۃ اسلامیہ کے بعد بھی مجاہدین جہاد عالمی سطح پر جاری رکھے ہوئے ہے اور اس جہاد کو جاری رکھنا مجاہدین کی امتیازی ذمہ داری ہے اسی ذمہ داری کو قبول کر کے مجاہدین نے اپنے آپ کو دیگر اسلامی صف بندیوں [مدرسین، مبلغین، مصلحین اور انقلابیوں] سے ممیّز کیا اور ممتاز کرتے ہیں۔

اب میں پاکستانی معاشرتی ریاستی تناظر میں ان امور پر گفتگو کروں گا جو سرمایہ داری کے خلاف اس جہاد کو جاری رکھنے کے لیے اہم ہیں۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ پاکستانی معاشرتی نظام میں مجاہدین کا وجود نہایت محدود ہے اور ریاستی نظام میں تو وہ سرے سے کوئی وجود ہی نہیں رکھتے۔ جن علاقوں میں ان کو عوامی اور قبائلی اقتداری تعاون حاصل ہیں وہ پاکستانی معاشرتی اور ریاستی نظام سے صرف واجبی طور پر منسلک ہیں۔ مجاہدین کی معاشرتی اور ریاستی تنہائی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ایم ایم اے کی سرحدی حکومت وانا [WANA] میں جاری فوج کشی کی مزاحمت پر نہ خود آمادہ ہوئی نہ اس پر اس فوج کشی کی مزاحمت کرنے کے لیے کوئی عوامی دباؤ پڑا۔

مجاہدین کی دوسری بڑی کمزوری یہ ہے کہ بیشتر مجاہدین کی صف بندیاں پاکستانی فوج اور انٹیلیجنس ایجنسیوں پر انحصار کرتی رہی ہیں۔ یہ انحصار ان تنظیموں میں تو بہت زیادہ ہے جو جہاد کشمیر میں متحرک ہیں جہاد کشمیر تو خالصتاً ایک War of National Liberation ہے اور اسے سرمایہ داری کے خلاف برپا عالمی اسلامی جہاد سے منسلک کرنا کم از کم اتنا ہی مشکل کام ہے جتنا عراقی مزاحمت کو اور فلسطینی انتقادہ کو اس فرق کے ساتھ کہ عراق اور فلسطین میں مجاہدین کی ریاستی اور معاشرتی قوت کشمیر کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے۔ افغانستان میں بھی طالبان نے سقوط کابل کے بعد جو نظام اقتدار مشرقی اور وسطی صوبوں میں قائم کیا ہے اس کو ایجنسیوں نے penetrate کرنا شروع کر دیا ہے۔

ان حالات کے تناظر میں یہ بات کہنا ناگزیر ہے کہ مجاہدین کی سب سے بڑی ضرورت مسلمانان عالم کی طرف سے اعانت اور حمایت ہے اس حمایت کے بغیر مجاہدین دنیا میں کہیں بھی ایک مستحکم عالمی جہادی ریاست قائم نہیں کر سکتے اور نہ مجاہدین کا اثر چند محدود علاقوں سے نکل سکتا ہے۔ مجاہدین کے فطری حلیف [natural allies] انقلابی ہیں لیکن عملاً پاکستان میں کوئی انقلابی اسلامی جماعت موجود نہیں مولانا مودودی کی قائم کردہ جماعت اسلامی اصولاً ایک اسلامی انقلابی جماعت ہے اور اس کا فکری لٹریچر ایک ایسے ذہن اور قلب کی تعمیر کرتا ہے جو غلبہ دین کا طالب ہو اور جو اسلام کو بحیثیت ایک نظام زندگی کے پہچانتا ہے۔ یہ بات درست ہے کہ مولانا مودودی کے افکار میں سرمایہ داری کی اصولی تردید اور اس کو بحیثیت نظام زندگی تصور کرنے کا ادراک موجود ہے۔ لیکن عملاً مولانا مودودی کی امارت کے دوران اور اسکے بعد جماعتِ اسلامی نے اپنی ۶۶ سالہ تاریخ

میں کبھی بھی نظام کی مکمل تبدیلی کے لیے انقلابی جدوجہد نہیں کی جمہوری عمل کے ذریعے اسلامی نظام کا قیام جماعت اسلامی کا ہمیشہ ہدف رہا لیکن یہ بات اب ناقابل انکار ہے کہ نظام اسلامی کا کوئی مربوط تصور اس کے پاس کبھی موجود نہ تھا۔ اسلامی انفرادیت کو وہ مفروض [assume] کرتی اور معاشرتی ادارتی صف بندی کو غیر ضروری سمجھتی تھی۔ مولانا مودودی کے انتقال کے بعد جماعتِ اسلامی میں جو فکر غالب ہوئی اس میں اسلامک فاؤنڈیشن لیسٹر کا بنیادی کردار ہے اور اس فکر کی ترتیب اور تدوین میں ان ادارتی مباحث نے ایک کلیدی کردار ادا کیا جو سعودی عرب کے پیسے سے چلنے اور سعودی مفادات کو فروغ دینے والے اداروں مثلاً

1- World Assembley of Muslimd yout.

2- International Fedration of Islamic Students Union

3- World Mosque Council

4- International Association of Islamic Economist

5- Rabita-e- Alam-e- Islam

وغیرہ میں ہوئی اور جو شروع ہی دن سے امریکی اور برطانوی استعمار کے آلۂ کار بن گئے۔ اس ادارتی نفوذ کے ذریعہ جماعت اسلامی اور [اخوان المسلمون کے بعض دھڑے] سعودی انٹرنیشنل پالیسی ڈائیلاگ [International Policy Dialogue] سے منسلک ہوگئے اور یہ تاثر مستحکم ہوگیا کہ مسلم حکومتوں کے تعاون کے ذریعہ جماعت اسلامی نظام اقتدار میں ایک محفوظ حصہ دار بن سکتی ہے جو استعمار اور اس کے حلیفوں کے لیے قابل احترام اور قابل قبول ہو سرمایہ دارانہ اقتدار میں قابل احترام شمولیت نے جماعت اسلامی کو آج وہیں لا کھڑا کیا ہے جہاں فرانس، اٹلی اور سپین کی کمیونسٹ پارٹیاں ۷۷-۱۹۷۶ء میں اپنے آپ کو پاتی تھیں ان پارٹیوں کی طرح آج جماعت اسلامی انقلاب کا مطلب سرمایہ دارانہ نظام کے اندرونی تضادات کو دور کرنے کے سوا اور کچھ نہیں سمجھتی۔ یہی قاضی حسین احمد کا شاندار انقلاب ہے۔ اس شاندار انقلاب کے ذریعہ اگر جماعت اسلامی کو اسمبلی میں اکثریت حاصل ہوئی تو وہ دستور کی پاس داری کرے گی۔ ہیومن رائٹس [human rights] کا پرچم بلند۔ آزادی اور مساوات کو فروغ دے گی سائنس اور معاشی ترقی کو لازم پکڑے گی۔ یہی کچھ اس نے سرحد اور کراچی میں کیا۔ دستور کی پابندی نے اس کو حسبہ ایکٹ کے نفاذ سے روکا ہیومن رائٹس کے احترام کے نتیجہ میں مخلوط تعلیم جاری رہی معاشی ترقی کو ممکن بنانے کے لیے World Bank اور Asian Development Bank کے پروجیکٹس جاری رہے اور سرحد کی حکومت اور کراچی کی انتظامیہ [نعمت اللہ دور] مرکزی حکومت اور زر کے بازار [money market] کو سود دیتی اور ان سے سود لیتی رہی پشاور میں سٹہ بازار [stock market] قائم کرنے کی اسکیمیں جاری رہیں۔ عالمی سرمایہ دارانہ نظام کی نظروں میں احترام حاصل کرنے کے لیے جماعت اسلامی نے یہ ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی کہ وہ تمام سرمایہ دارانہ ذمہ داریاں ادا کرنے کی مکمل اور دیانت دارانہ ارادہ اور صلاحیت رکھتی ہے۔

اسی فکر کے غلبہ اور استحکام کے لیے ضروری ہوا کہ جماعت اسلامی مجاہدین سے دوری اختیار کرے۔
جماعتِ اسلامی کا جہاد افغانستان اور جہادِ کشمیر کو جاری رکھنے میں ایک قابلِ فخر حصہ ہے اور جماعتِ اسلامی کے کارکنوں اور متاثرین کی بہت بڑی اکثریت مجاہدین کو اپنا ہیرو تصور کرتی ہے۔ مجاہدین کے احترام اور ان پر اعتماد کو عام کارکن کے نظر میں مشکوک بنانا بھی ان لوگوں کے لیے ضروری ہے جو جماعت اسلامی کو سرمایہ دارانہ نظام اقتدار سے پیوست کرانا چاہتے۔ چناں چہ ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد ترجمان القران کے تقریباً ہر اداریے میں اس بات کا اعادہ ہے کہ مجاہدین کی حکمت عملی نہایت تباہ کن اور غیر دانش مندانہ ہے۔ مجاہدین اسلام کے نادان دوست اور حقیقتاً خطر ناک ترین دشمن ہیں اور ہمیں جہادی مزاحمت کا راستہ ہرگز اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ یورپی اور امریکی انتظامیہ اور اشرافیہ میں ایسے حلیف تلاش کرنا چاہیے جو خود بش کی حکمت عملی کو عالمی سرمایہ دارانہ مفادات کے فروغ اور تحفظ کے لیے نہایت مضر تصور کرتے ہیں۔ یہی سعودی خارجہ پالیسی کا بنیادی theme اور ان اداریوں کے ذریعہ ترجمان القران قرآن کی نہیں سعودی خارجہ پالیسی کی ترجمانی کرتا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ تباہی کی راہ ہے۔ جن جماعتوں کی اساس فکر انقلابی ہو وہ رائج شدہ نظام میں احترام اور مقبولیت تلاش کریں تو لامحالہ منتشر ہو جاتی ہیں ہمیں یورپ کی کمیونسٹ پارٹیوں کا عبرت ناک حشر اپنے سامنے رکھنا چاہیے۔ ۳۰، ۳۵ سال قبل فرانس اور اٹلی میں کمیونسٹ پارٹیاں ملک کی سب سے منظم اور سب سے بڑی پارٹیاں مانی جاتی تھیں۔ آج وہ سوشل ڈیموکریٹک [social democratic alliance] الائنس جیسے دھڑے بن کے رہ گئے ہیں جن کو خورد بینوں سے تلاش کیا جاتا ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ کل مسلم لیگ [ن] اور عمران خان کی تحریک انصاف جماعتِ اسلامی کو اسی طرح ہضم نہ کرلے جس طرح ۱۹۹۰ء کی دہائی میں جرمنی میں SPD نے KPD کو ہضم کرلیا تھا۔

جن صوبوں میں جماعتِ اسلامی شریک اقتدار نہیں وہاں نئے کارکن بننے کی رفتار تقریباً معدوم ہو گئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جماعت اسلامی جس ایجنڈہ پر عمل کر رہی ہے وہ مسلم قوم پرست اور سوشل ڈیموکریٹ ہے اس کے نتیجہ میں جماعت اسلامی کی داخلی زندگی ان تمام رذائل سے نہایت تیزی سے آلودہ ہو رہی ہے۔ جو سوشل ڈیموکریٹ اور قوم پرست جماعتی زندگی کا خاصہ ہیں اسلام کو محض نعرہ اور ایک ایسے پردہ [facade] کے طور پر استعمال کرنا کہ سوشل ڈیموکریٹ اور نیشنلسٹ پالیسیوں کو تحفظ اور جواز فراہم کرے اپنی قبر اپنے ہاتھوں سے کھودنے کے مترادف ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام میں احترام تلاش کرنے کی پالیسی کو اپنانے کی اصل وجہ جماعت اسلامی کی جمہوری عمل میں شمولیت ہے۔ ۱۹۵۰ اور ۱۹۶۰ء کی دہائیوں میں مولانا مودودی نے جمہوری عمل میں شمولیت کا جو جواز پیش کیا فارابی اور لاک [locke] سے ماخوذ تھا۔ اور جمہوری عمل کو اخلاق حسنہ [virtues] کے فروغ کا ذریعہ متصور کرنا تھا۔ مولانا مودودی نے اس بات پر بھی زور دیا کہ جمہوری عمل میں شمولیت ریاستی استبداد سے تحفظ کا ضامن ہے اس تحفظ کو یقینی بنانے کے لیے ضروری ہے کہ سیکولر جمہوری قوتوں سے اشتراک عمل بہت فائدہ مند ثابت

ہوسکتا ہے۔ چناں چہ ۱۹۵۷ء سے جماعتِ اسلامی کی تشکیل اس وقت کے مسلم لیگی رہنما مولانا ظفر احمد انصاری کے مشورہ سے عمل میں آئی، الائنس [alliances] جماعت اسلامی کی جمہوری سیاست کا جز و لاینفک بن گئی ہیں آج بھی جماعت اسلامی مسلم لیگ [ن] اور تحریک انصاف [ع] تو کیا پیپلز پارٹی [پی] تک سے میثاق جمہوریت کی بنیاد پر الائنس بنانا چاہتے ہیں اور بلوچستان میں پرویز لیگ کے ساتھ الائنس بنا کر حکومت کر رہے ہیں۔ متحدہ محاذ کی سیاست کے نتیجے میں بیک وقت حزب اقتدار اور حزب اختلاف کی سیاست ایک دھارے میں سمٹ گئی ہے کسی صوبے میں وہ حزب اختلاف کا کردار ادا کرتی ہے اور کہیں خالص حزب اقتدار بن جاتی ہے۔ الائنس کی سیاست شاندار انقلاب کے لیے ضروری اور اسلامی انقلاب کے لیے سم قاتل ہے۔ لیکن پاکستان میں انتخابی اور جمہوری عمل سے مکمل پہلو تہی اسلامی جماعتوں کے لیے فی الحال ممکن نہیں۔۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان جماعتوں نے وہ معاشرتی اداراتی صف بندی نہیں کی جو جمہوری عمل کے الرغم عوامی قوت کو منظم اور مرتکز کرنے کے لیے ضروری ہے ایران، الجزائر، اردن، انڈونیشیا اور چند وسطی ایشیائی ممالک میں [اور ایک محدود حد تک ہندوستان میں بھی] یہ اداراتی معاشرتی صف بندی موجود ہے اور یہی معاشرتی صف بندی فروغ اقتدار اسلامی اور تحفظ ترتیب اقتدار اسلامی کا حصہ بناتی ہے۔

جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں جمہوریت اور سرمایہ داری کا ربط حادثاتی [contingent] ہے ضروری نہیں ہے [یہ بات کم از کم قلیل مدت کے لیے اعتماد سے کہی جاسکتی ہے، یہ ممکن ہے کہ جمہوری عمل [بشمول عمل انتخاب] ایک ایسا ارادہ کل [will of all] ترتیب دے جو ارادہ عمومی [general will] کی تحدید اور تردید کرے۔ اسی امکان کو مسترد کرنے کے لیے دستور اور ہیومن رائٹس [human rights] کی تقدیم کو جمہوری عمل کے لیے ضروری سمجھا جاتا ہے اور جہاں بھی ارادہ کل [will of all] ارادہ عمومی [general will] کی نفی کرے وہاں سرمایہ ارادہ کل کے اس اظہار کی تردید کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن ارادہ کل کے اس قسم کے فیصلوں کو مسترد کرنے میں وہ ہمیشہ کامیاب نہیں ہوتا۔ مثلاً وہ ۱۹۹۰ء کے الجزائر کے انتخابات کے نتائج کو مسترد کرنے میں جزواً اور ترکی کے ۱۹۹۹ء کے انتخابات کے نتائج کو مسترد کرنے میں کامیاب ہوگیا [مختلف طریقوں سے] لیکن ایران کے ۲۰۰۵ء کے انتخابات کے اسی نوعیت کے نتائج کو مسترد نہ کرسکا اور ۲۰۰۶ء کے فلسطینی انتخابات کو رد کرنے میں کامیاب ہوگا یا نہیں یہ بات غیر یقینی ہے لیکن سرمایہ داری کی تاریخ اس بات کی شہادت ضرور دیتی ہے کہ اگر جمہوری عمل جاری رہے اور ہیومن رائٹس کی تقدیم کو طویل مدت تک چیلنج نہ کیا جائے تو ارادہ اجتماعی [will of all] ارادہ عمومی [general will] یعنی سرمایہ کی بڑھوتری کے مطابق ہوجاتا ہے۔ لہٰذا انقلابی جماعتیں اگر انتخابات یا دوسرے جمہوری طریقوں کے ذریعہ برسرِ اقتدار آئیں تو وہ اقتدار کے جمہوری عمل کو معطل یا محدود کرنے کے لیے استعمال کرتی ہیں۔ اگر وہ ایسا نہ کریں تو جمہوری عمل وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انقلابی عمل کو معطل کر دیتا ہے اسلامی جماعتوں کا جمہوری عمل میں شامل ہونا صرف اس صورت میں غلبۂ دین کے لیے مفید ہوسکتا ہے جب اس شمولیت کے نتیجہ میں دستوریت [یعنی نظامِ اقتدار میں ہیومن رائٹس کی فوقیت] کو کمزور کرنے

کے لیے اس شمولیت کو استعمال کیا جائے ظاہر ہے کہ سرمایہ دارانہ جماعتوں ۔خواہ لبرل خواہ قوم پرست خواہ سوشل ڈیموکریٹ کے ساتھ الائنس قائم کر کے یہ ہدف حاصل نہیں ہوسکتا اور ایسے الائنس میں شمولیت کے نتیجہ میں اسلامی جماعتیں اپنا اسلامی تشخص کھو بیٹھتی ہیں سرمایہ دارنہ نظام اقتدار کے ذمہ داروں میں ان کا شمار ہونے لگتا ہے اور اس نظام کے ساتھ ان کی وابستگیاں وفاداریاں اور مفادات منسلک ہوجاتے ہیں اور سرمایہ دارانہ مخالف اداراتی صف بندی ان کے لیے ناممکن ہوجاتی ہے۔

جمہوری عمل میں شرکت کا اصل مقصد سرمایہ دارانہ مخالف ریاستی اور معاشرتی اقدامات کا تحفظ ہے۔ پاکستان کا تجربہ یہ ہے کہ حکومت میں شمولیت کے نتیجہ میں یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا۔مثلاً سرحد اور بلوچستان کی صوبائی حکومتوں اور کراچی کی شہری انتظامیہ نے ۲۰۰۲ء تا ۲۰۰۶ء کوئی بھی ایسے اقدامات نہ کیے جس کے نتیجہ میں شہری یا صوبائی سطح پر سرمایہ دارانہ مخالف اسلامی اداراتی صف بندی ممکن ہوتی۔اس کے برعکس اسلامی جماعتوں کے کارکن سرمایہ دارانہ تعمیری پروجیکٹس کے کارفرما اور منتظم بن گئے اور بہت سے سرمایہ دارانہ گروہوں اور افراد نے اسلامی جماعتوں کو اپنے مقاصد کو فروغ دینے کے لیے استعمال کیا۔اس سے اسلامی جماعتوں کا تشخص بری طرح مجروح ہوا اور شہری اور صوبائی سطح پر نہ اسلامی انفرادیت نے فروغ پایا نہ اسلامی معاشرت اور ریاستی اداری صف بندی نے۔

پاکستان کے موجودہ حالات میں کوئی بھی اسلامی جماعت وہ معاشرتی قوت نہیں رکھتی جو سرمایہ دارانہ ریاستی نظام کو انقلابی اداراتی صف بندی کا آلہ کار بنانے کے لیے ضروری ہے۔معاشرتی انقلابی صف بندی کے بغیر نظام اقتدار میں شمولیت لازماً مضر ثابت ہوتی ہے۔لہٰذا کم از کم مستقبل قریب میں اسلامی سیاسی جدوجہد کا مقصد نظام اقتدار میں شمولیت نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ اس کا مقصد ایسی سیاسی قوت کی فراہمی ہونا چاہیے جو سیکولر حکومت پر دباؤ ڈال کر اس کو غیر اسلامی اقدمات سے باز رکھنے اور اسلامی معاشرتی اداراتی صف بندی کو گوارا اور برداشت کرنے پر مجبور کردے اس حکمت کو سیاست کے اندر ریاستی نظام تعمیر کرنے کی حکمتِ عملی [Building a state within a state] کہتے ہیں اور یہ حکمت عملی کامیابی کے ساتھ ایرانی علما نے مصدق کے زوال کے بعد سے ۱۹۷۸ء تک اپنائی ۔اس حکمت عملی کی بنیاد اسلامی اتحاد فراہم کرنا ہے۔ پاکستان میں اس اتحاد کی بنیاد متحدہ مجلس عمل کے قیام کے نتیجہ میں ظہور پذیر ہوچکا ہے۔اس اتحاد میں تمام اسلامی مکاتیب فکر شیعہ بریلوی، دیوبندی، اور اہل حدیث ۔اور بیشتر اسلامی سیاسی جماعتیں شامل ہیں۔ یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ آج اتحاد دنیائے اسلام کی ایک نہایت اہم ضرورت سے اور اس اتحاد کے عدم وجود کی بنا پر امریکہ بہت فائدہ اٹھا رہا ہے۔اگر شیعہ سنی اتحاد ہوتا۔تو ۲۰۰۲ء میں طالبان کی پسپائی ناممکن تھی کیوں کہ حکومت ایران طالبان کو کبھی بھی اس طرح تنہا نہ چھوڑتی جس طرح ایک دھمکی پر افغانستان کے قدیم حلیف نے اسے تنہا چھوڑ دیا تھا اور عراق میں بھی امریکہ طویل عرصے تک قیام نہ کرسکتا اگر شیعہ اور سنی جہادی قوتیں متحد نہ ہوئیں تو اس اتحاد کے بغیر ایران کا جوہری اسلحہ اور تنصیبات کا تحفظ بھی بہت مشکل ہے۔ پاکستان میں جتنا ضروری شیعہ سنی

اتحاد ہے اس سے کچھ کم ضروری بریلوی، دیو بندی اتحاد نہیں۔ علوم اسلامی اور روایات اور رسوم اسلامی کے تحفظ کے لئے دیو بندی اور بریلوی مکاتیبِ فکر نے پچھلے ڈیڑھ سو سال میں جو گراں قدر خدمات انجام دی ہیں وہ فطرتاً ایک دوسرے کو تقویت پہنچانے والی complement کرنے والی ہیں۔ ان کے اختلافات فروعی ہیں اور ان اختلافات کو برطانوی استعمار نے باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت فروغ دیا۔ حقیقتاً بریلوی اور دیو بندی علما اور ان کی عوامی جماعتیں بالخصوص تبلیغی جماعت اور دعوت اسلامی پاکستانی معاشرہ میں ایک دوسرے کی فطری حلیف ہیں۔

متحدہ مجلس عمل نے ریاستی سطح پر جس اشتراکِ عمل کو ممکن بنایا ہے اس کو وسعت دینے اور اس میں گہرائی پیدا کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ غیر سیاسی اسلامی جماعتوں اسلامی سماجی تنظیموں، مدارس، مساجد، خانقاہوں اور صوفیائے عظام کے ارادت مندوں کے حلقوں کا متحدہ مجلس عمل میں شمولیت کا انتظام ہونا چاہیے اور مجلس عمل کو معاشرتی معاشی اور ثقافتی ادارتی صف بندی کی منصوبہ سازی محلّہ کی سطح پر کرنا چاہیے اور ایسے منصوبوں پر عمل درآمد کا انتظام کرنا چاہیے جس کے نتیجہ میں مسلمان عوامی معاشی اور معاشرتی سطح پر منظّم اور متحد ہوں حلال و رزق کے مواقع فروغ پائیں مساجد مدارس اور اسلامی املاک کے دفاع اور تحفظ کی ذمہ داری اسلامی جماعتیں سنبھالنے کے قابل ہوں۔ ان اجتماعیّتوں میں یہ صلاحیت بھی ہو کہ وہ منکر اور فواحش کے وقوع کو محلّہ اور بازار کی سطح پر ناممکن بنادیں۔ اسلامی انفرادیت معاشرت اور سیاسی قوت کو فروغ دینے کے لیے ضروری ہے کہ تنظیم اور تدوین، نفوذ اور اقتدار کی سعی ریاست اور معاشرتی سطح سے کی جائے۔

جہاد اسلامی کو جاری رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ پاکستان کے مسلم عوام جہاد کی بھرپور اعانت پر آمادہ ہوں اس چیز کو ممکن بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ملک میں جتنا بھی کام تحفظ دین اور غلبہ دین کے لیے ہو رہا ہے وہ ایک لڑی میں پرو دیا جائے اور فکر اور حکمت عملی کی تطبیق کے ذریعہ مختلف اسلامی جماعتوں اور گروہوں میں مسابقت اور رفاقت کی فضا قائم کی جائے اور ہر گروہ کو احساس دلایا جائے کہ دیگر تمام اسلامی جماعتیں اور گروہ اس کے فطری حلیف اور معاون ہیں فکر اور عمل کے اس ارتباط کو قائم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ فروعی اختلافات سے صرف نظر کیا جائے اور ایک دوسرے کے عقائد اور اعمال کو شک کی نظر سے دیکھنا چھوڑ دیا جائے۔ بغیر اس کے ہم نہ تو مجاہدین کی جدوجہد کی عوامی مقبولیت کو منظّم کر سکتے ہیں اور نہ استعمار کے ایجنٹوں کو معاشرہ اور ریاست کی سطح پر تنہا اور بے اثر کر سکتے ہیں۔

دوسرے مسلم ممالک کی طرح پاکستان میں بھی مجاہدین کی جدوجہد کو عوامی سطح پر قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے لیکن مجاہدین کی یہ عوامی اعانت دو وجوہات سے بے اثر ثابت ہوتی ہے۔ سب سے بڑی وجہ تو مختلف اسلامی گروہوں کے آپس کے شکوک اور شبہات ہیں انہی شکوک اور شبہات نے فرقہ واریت کو فروغ دیا ہے مسلمان آپس کی لڑائی ہی کو جہاد سمجھنے لگے ہیں دوسری وجہ یہ ہے کہ جب اسلامی گروہ آپس ہی میں دست و گریباں ہوں گے تو وہ لازماً اس سے قاصر رہیں گے کہ ایک مربوط اور دور رس حکمت عملی تفویض کر سکیں۔ جو کچھ کام دفاع اور غلبہ دین کے ضمن میں ریاست اور معاشرہ کی سطح پر ہو رہا ہے لیکن اس کو ایک لڑی میں پرونے ایک نظاماتی ہیئت [structure] میں سمونے کا کوئی انتظام نہیں لہٰذا نظام کی سطح پر مسلمانان پاکستان کی قوت نہ مجتمع ہو پاتی ہے اور نہ ایک فصیل قوت کے طور پر سامنے آتی ہے۔

ضروری ہے کہ تحفظ اور غلبہ دین کے کام کرنے والا ہر گروہ اس بات کو اچھی طرح سمجھے کہ اسلام ایک مکمل مربوط آفاقی اور عالمگیری نظام حیات ہے اور جو کام بھی کوئی ایک اسلامی گروہ کر رہا ہے اس کا تعلق دیگر تمام اسلامی گروہوں کے کام سے مربوط ہے تفہیم اور تفسیر کتاب مقدسہ کا کام پھیل نہیں سکتا اور محفوظ تک نہیں رہ سکتا اگر مسلمانوں کی اجتماعی سیاسی قوت مضمحل ہوجائے جہاد جاری رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ اسلامی رسوم و رواج فروغ پائیں اور صوفیائے عظام معاشرہ کو اسلامی روحانیت سے سرشار کریں۔ مدرسین، مزکی، مبلغین، مصلحین، انقلابی اور مجاہدین یہ سب ایک دوسرے کے فطری حلیف اور ایک دوسرے کے پشتیبان ہیں۔ کا یہی مفہوم ہے تمام اسلامی کام کی تطبیق کے ضروری ہے کہ ہر اسلامی تنظیم کا کارکن دو باتیں اچھی طرح سمجھ لے۔

پہلی بات تو یہ کہ اسلام ایک مکمل اور مربوط نظام زندگی ہے تحفظ و غلبہ دین کی یہ جدوجہد کوئی ختم ہونے والی چیز نہیں یہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ورود کے وقت تک مسلسل جاری رہے گی اور اس کی کامیابی کا لازمی مطلب یہ نہیں کہ کوئی اسلامی ریاست لازماً قائم ہوجائے یا اگر قائم ہوجائے تو قیامت تک کے لئے باقی بھی رہے جدوجہد کے نتیجے میں ریاست قائم بھی ہوتی ہے تحلیل بھی ہوتی ہے۔ جدوجہد کو مادی مظہر قیام ریاست سے مشروط و محدود کرنا اسلامی انقلابی جدوجہد کو محدود کرنے کے ساتھ ساتھ اسے مادی اظہار سے لازماً منسلک کرنے کے مترادف ہے۔ کوئی مکمل اسلامی معاشرت یا معیشت وجود میں آجائے یا تمام مسلمان متقی اور مومن بن جائیں ہم دنیا کے سامنے کوئی ماڈل پیش کرنے کے مکلّف نہیں۔ ایک ایسے آئیڈیل معاشرہ یا ماڈل ریاست جس میں گناہ کرنا ناممکن ہو۔ تمام لوگ سکوں سے رہیں۔ تمام مسائل حل ہوجائیں۔ اور ترقی و آزادی بام عروج کو پہنچ جائے۔ افراد کی للٰہیت بڑھتی گھٹتی رہے گی معاشرتی پاکیزگی اور پراگندگی میں اضافہ اور کمی ہوتی رہے گی اسلامی ریاستیں خواہ قومی خواہ آفاقی اور جہادی ہوں بنتی اور ٹوٹتی رہیں گی۔ تحفظ دین اور غلبہ دین میں کامیابی کا یہ مطلب نہیں کہ دین مکمل طور پر دنیا میں ہمیشہ کے لیے غالب آجائے حقیقت یہ ہے کہ تحفظ اور غلبہ دین کی جدوجہد کے ہر مرحلہ میں مسلمانوں کو مشکلات برداشت کرنی پڑیں گی۔ الآم اور مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا اور آزمائشوں سے مسلسل گزرتا رہنا پڑے گا۔ خیر القرون اور پہلی ہجری صدی ہمیں یہی سبق سکھاتی ہے۔

اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ تحریک تحفظ اور غلبہ دین کے نتیجے میں کامیابی کے مادی اظہار ریاست اور غلبہ و شوکت و فتح کے آثار کا ہر جگہ ظاہر ہونا ضروری نہیں، ہر جگہ اسلامی ریاستوں کا قیام بھی اس جدوجہد کا لازمی نتیجہ نہیں، لیکن اس جدوجہد پر ایمان و یقین اور اس میں مسلسل شرکت و تعاون اصل کامیابی و کامرانی اور اصل روح جہاد ہے۔ اگر اس روح کو کامیابی کے مادی مظاہر ریاست کے قیام وغیرہ سے مشروط کردیا جائے تو یہ جدوجہد کمزور ہوجائے گی۔ مجاہد کامیاب اس وقت ہوتا ہے جب وہ اپنے رب کے حضور پیش ہوتا ہے اس کو اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے اور جنت میں داخلہ کا پروانہ ملتا ہے اسی چیز کو قرآن نے فوز العظیم سے تعبیر کیا ہے اور شہادت اس کی سب سے واضح علامت ہے۔ ہر وہ کارکن ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کامیاب ہے جس نے تحفظ اور غلبہ دین کی تگ و دو میں اپنی پوری زندگی گزاری اور ''اسی دامن میں بسایا گلشن کنج مزار اس نے''

ہم دنیا میں جنت بنانے کی دعوت نہیں دیتے یا سرمایہ داری اور اس کے مذاہب لبرل ازم قوم پرستی سوشلزم کی دعوت نہیں دیتے بلکہ جنت میں جانے کے لیے جدوجہد کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ غلبہ

دین کے نتیجے میں جو ریاست قائم ہوتی ہے وہ ایک جہادی ریاست ہوتی ہے کوئی ویلفیئر اسٹیٹ [welfare state] نہیں ہوتی اور اس کے قائم ہوتے ہی کفار اس کو نیست و نابود کرنے کے درپے ہو جاتے ہیں۔

دوسری بات جو تحریک تحفظ اور غلبہ دین کے ہر کارکن کو اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے وہ یہ کہ وہ جس نظام کو اکھاڑ پھینکنے کی کوشش کر رہا ہے وہ آج کے دور میں زندگی کے ہر شعبہ پر غلبہ رکھتا ہے۔ تبلیغی جماعت اور دعوة اسلامی سرمایہ دارانہ انفرادیت کے خلاف جدوجہد کر رہے ہیں۔ مدارس اور اسلامی ٹریڈ یونینیں سرمایہ دارانہ معاشرت اور معیشت کے خلاف مصروف عمل ہیں ایم ایم اے کی جماعتیں سرمایہ دارانہ نظام اقتدار ریاست کے خلاف برسرپیکار ہیں اگر تبلیغی اسلامی انفرادیت کی جدوجہد میں سرمایہ دارانہ معاشرت اور سرمایہ دارانہ نظام اقتدار سے اعانت حاصل کرسکے اور اسی معاشرت اور ریاستی نظام کا حصہ بن جائیں تو وہ اسلامی کردار کی تعمیر کے کام کو مستحکم بنیاد پر قائم نہ کرسکے گی اسی طرح اگر جماعت اسلامی اسلامی ریاست کے قیام کی جدوجہد میں سرمایہ دارانہ معاشرتی صف بندی میں اپنا مقام بنانے کی کوشش کرے یا سرمایہ دارانہ علمیت کو قبول کرلے تو وہ اپنے سیاسی مقاصد کو ناقابل حصول بنادے گی۔

لہٰذا ضروری ہے کہ ہر جماعت اور گروہ اپنے منتخب دائرہ کار کو سرمایہ دارانہ نظام میں سموئے جانے سے محفوظ رکھے۔ یہ ایک نہایت مشکل کام ہے اور گو کہ تحفظ کی طرف پیش رفت کسی نہ کسی حد تک اتحاد اسلامی سے حاصل ہوسکتی ہے لیکن اصل ضرورت ایک ایسی علمیت کی ہے جو سرمایہ داری پر بحیثیت ایک نظام زندگی حکم لگانے کی اہلیت رکھتی ہو اور جس کی بنیاد پر ایک ایسا علم الکلام تعمیر ہوسکتا ہے جو نظاماتی سطح [Systemic] پر سرمایہ دارانہ فکر اور عمل کی نامعقولیت ثابت کردے۔ حقیقت یہ ہے کہ برعظیم پاک و ہند میں خواجہ گان چشتیہ اور حضرت مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ کے ادوار کے بعد سے غیر اسلامی نظام ہائے زندگی پر محاکمہ اور ان کی علمی اور روحانی تسخیر پر سے توجہ ہٹ گئی اور اقتدار بالعموم اسلامی ریاستوں کے پاس رہا اس لیے علمی توجہ نظاماتی سطح سے ہٹ کر انفرادی سطح پر مرکوز ہوگئی۔ نظامِ تعلیم نظام معاشرت و معیشت اور نظام اقتدار چوں کہ اسلامی خطوط پر مروج تھا لہٰذا توجہ کا مرکز اس نظام کے اصول اور روح نہ رہی۔ فتاوےٰ انفرادی اعمال پر نہ کہ نظاماتی خصائص پر مرکوز ہوگئے اور ۱۶ویں صدی کے وسط سے لے کر آج تک برعظیم میں جو علم کلام مرتب ہوا اس کا اصل موضوع اسلامی نظام زندگی میں بدعات اور معاصی کا ورود تھا اس علم الکلام علم فقہ کے مخاطب مسلمان تھے اور وہ مسائل جو کہ کسی غیر اسلامی نظام زندگی کے ظہور اور غلبہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس فکر کا موضوع نہیں تھے۔

مغل سلطنت کی تباہی کے بعد حالات یکسر تبدیل ہوگئے ہیں اور برعظیم میں سرمایہ دارانہ نظام زندگی کو غلبہ حاصل ہوگیا اور اسلامی نظام زندگی کا غلبہ ریاستی سطح پر مطلقاً اور معاشرتی سطح پر جزواً معطل ہوگیا ہے۔ [اور یہی کیفیت بیشتر مسلم دنیا میں ہے] لہٰذا ایک ایسے فقہ اور علم الکلام کی تدوین کی اشد ضرورت ہے جو نظام [System] پر حکم صادر کرے اور سرمایہ دارانہ علمیت کی اصلی اور اصولی نامعقولیت واضح کرے یہ کام اس بات کا متقاضی ہے کہ علما اور صوفیا فکر غزالی کے احیا کو تمام علمی اور روحانی کام کا مرکز اور محور بنالیں یہ بات افسوس سے کہنا پڑتی ہے کہ ہمارے مدارس میں حضرت حجتہ الاسلام رحم الہہ کی فکر اور تصانیف کو وہ اہمیت حاصل نہیں جو ان کا حق ہے۔ تاریخ اسلام میں حضرت حجتہ الاسلامؒ کا فکری اور روحانی کارنامہ منفرد اور یکتا ہے اور یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام زندگی اور اس کی جاہلانہ علمیت کا اسلامی محاکمہ امام غزالیؒ کے فکر کے احیا کے بغیر ناممکن ہے۔